سیر وسوانح

عبدالحمید بن بادیس

۱۳۰۷-۱۳۵۹ھ / ۱۸۸۹-۱۹۴۰ء

الجزائر میں مسلم اصلاحی تحریک کے پیشرو

پروفیسر مسعود الرحمن خان ندوی

تمہید

الجزائر کے شیخ عبدالحمید بن بادیس کا تعلق عالم اسلام کے اندر ان اصلاحی مکاتب فکر سے ہے جو مسلم دنیا میں مختلف سامراجی تسلطوں کے خلاف تقریباً اٹھارویں صدی کے اواخر سے بیسویں صدی کے نصف اول تک وجود میں آتے رہے ہیں۔ ان مکاتب فکر کے سرکردہ علما میں سے بعض یہ ہیں:

شیخ محمد بن عبدالوہاب (۱۱۱۵-۱۲۰۶ھ/۱۷۰۳-۱۷۹۲ء)

امام محمد بن علی عبداللہ شوکانی (۱۱۷۳-۱۲۵۰ھ/۱۷۵۸-۱۸۳۴ء)

جمال الدین افغانی (۱۲۵۴-۱۳۱۵ھ/۱۸۳۸-۱۸۹۷ء)

عبدالرحمٰن کواکبی (۱۲۶۵-۱۳۲۰ھ/۱۸۴۸-۱۹۰۲ء)

محمد عبدہ (۱۲۶۶-۱۳۲۳ھ/۱۸۴۹-۱۹۰۵ء)

محمد رشید رضا (۱۲۸۲-۱۳۵۴ھ/۱۸۶۵-۱۹۳۵ء)

زمان ومکان کے فرق کے باوجود ان مکاتب فکر نے ابتدا سے تین میدانوں میں کام کیا۔

(۱) مسلمانوں کے دل میں دین اسلام کی جوت جگانا تاکہ ابتدائی سنہرے دور

کی طرح اسلام بیک وقت دین وحکومت اور روحانی ومعاشرتی نظام کی حیثیت سے پیش قدمی کرنے والی قوت وطاقت کے طور پر قائم ہو سکے۔ اس کے لیے عالم اسلام میں ہر جگہ ان مکاتب فکر کے پیشرؤں نے قرآنی نصوص اور سائنسی آراء اور اسلامی تعلیمات اور عصر حاضر کے مطالبات میں توافق پیدا کرنے کی کوشش کی۔

(۲) دینی ترجمان کی حیثیت سے قرآنی زبان عربی کی حفاظت اور اس کی ترقی کی کوشش کرنا اس لیے کہ یورپی سامراجیوں نے عالم اسلام پر قبضہ کے اپنے مستشرق علماء کی مدد سے عربوں اور مسلمانوں کو متحد رکھنے والی مذہبی زبان کو فنا کرنے کے لیے ایک طرف غیر ملکی زبانوں کو رواج دیا اور اس سے روٹی روزی کے مسئلہ کو متعلق کیا تو دوسری طرف مقامی عرب بولیوں کو بڑھاوا دینے کی کوشش کی جیسا کہ جزائر تونس اور مراکش میں فرانس، لیبیا میں اٹلی اور مصر وشام اور عراق میں برطانیہ کے تعلیمی اور ادارتی نظاموں سے واضح ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس عیارانہ تدبیر کے پیچھے ان کے ناپاک مقاصد میں عالم اسلام وعرب کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا، قرآنی زبان کو ازکار رفتہ بنانا اور اسلام کو ایک الہٰی دین اور اجتماعی نظام کی حیثیت سے مٹانا شامل تھا۔

(۳) جہالت، جمود اور زوال کی گذشتہ صدیوں میں دین کے نام پر اسلام میں داخل ہو جانے والے خرافاتی رسوم ورواج اور نامانوس افکار وآراء کی مخالفت کرنا تاکہ اسلامی عقائد وتعلیمات ہر رنگ وشکل کے علانیہ ومخفی شرک وبدعات سے پاک صاف ہوکر دوبارہ اس شکل وصورت میں نکھر کر سامنے آجائیں جیسی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد اور ان کے جانشین خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سنہرے زمانہ میں تھیں۔

یہ اصلاحی مکاتب فکر عصر جدید کی انوکھی پیداوار نہیں تھے، بلکہ ان کی جڑیں امام احمد بن تیمیہ (۶۶۱ - ۷۲۸ھ/۱۲۶۳ - ۱۳۲۸ء) اور ان کے شاگرد رشید ابن قیم جوزیہ (۶۹۱ - ۷۵۱ھ/۱۲۹۲ - ۱۳۵۰ء) کے علمی ودینی ورثہ سے وابستہ تھیں جن کا عہد تیرہویں صدی کے نصف آخر سے چودھویں صدی عیسوی کے نصف اول تک تھا اور جن کے مکتب فکر کے بنیادی عناصر درج ذیل تھے:

(۱) زندگی کے تمام امور میں قرآن وسنت نبویؐ کی اتباع، پھر صحابہ وتابعین رضوان اللہ

علیہم اجمعین کی طرف رجوع اور ان کے بعد سلف صالح کی فہمِ قرآن وحدیث پر پورا پورا اعتماد اور بھروسہ۔

(۲) فلاسفہ ومتکلمین کے طرزِ فکر سے اجتناب اس لیے کہ ان کی تعبیر وتشریح اسلامی دعوت کی عام فہم روح سے میل نہیں کھاتی۔

(۳) بدعتوں اور غیر ضروری رسوم ورواج کے خلاف اعلانِ جنگ۔ خاص کروہ عادات واطوار جن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کی خوبو ہو جیسے قبروں سے برکت حاصل کرنا، وہاں نماز پڑھنا اور ان کے پاس دعا مانگنا یا بزرگ اولیاء سے مدد مانگنا اور فریاد کرنا یا شجر وحجر سے تبرک حاصل کرنا وغیرہ۔

(۴) باصلاحیت متقی اہلِ علم کے لیے اجتہاد کا دروازہ کھولنا اور فقہی مسالک کے متعصب مقلدین کی مخالفت۔

یہ بنیادی عناصر ابن تیمیہ اور معاصر مصلحین کے مکاتب فکر میں تعبیر وتشریح یا ترجیح کے معمول اختلافات کے ساتھ مشترک ہیں۔ مسلمانوں کی اصلاح کے لیے عصر جدید کے مصلحین کے نزدیک ایک قابل توجہ بات یہ ہے کہ انھوں نے دینی بگاڑ کی اصلاح کے ساتھ ساتھ شہری اور تہذیبی امور میں اصلاح کا بیڑا بھی اٹھایا۔ اس لیے کہ عصر حاضر میں دین ودنیا کی تفریق سے پیش آمدہ مسائل سے عالم اسلام کو پہلے واسطہ نہیں پڑا تھا اور اب غیر ملکی حکومتوں کے زیر سایہ اسلام مخالف نظام ہائے حیات میں اسلام کے دین وحکومت پر مشتمل تصور پر زور نہ صرف قدرتی تھا بلکہ مسلمانوں کی ترقی کے لیے ان کی دینی وشہری پہلو بہ پہلو اصلاح بھی اسی سے وابستہ تھی۔ بہرحال ابن تیمیہ کی فکر سے متاثر یہ اصلاحی مکاتبِ فکرِ اسلام میں کسی ناپسندیدہ "جدت" کی طرح ڈالنے والے نہ تھے اس لیے کہ یہ سنہرا سلسلہ امام احمد بن حنبل (۱۶۴-۲۴۱ھ/۷۸۰-۸۵۵ء) اور ان کے ہم خیال علمائے سلف سے جڑا ہوا ہے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ربانی پیغام اور صحابۂ کرام اور تابعین عظام کی تشریح وتعبیر سے استفادہ کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔

جزائر میں اصلاحی تحریک کی نشوونما

اس تمہید کے بعد جزائر میں اصلاحی تحریک کی نشوونما کے جائزہ سے معلوم ہوتا

ہے کہ ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۳ء میں عبدالحمید بن بادیس کے اسٹیج پر آنے سے پہلے تک کی اصلاحی کوششیں ذاتی و انفرادی نوعیت کی تھیں اور ان کا تعلق اُن افراد سے جو مصر کے مشہور عربی ماہنامہ المنار کے زیر اثر امام محمد عبدہ کی اصلاحی دعوت سے متاثر ہوئے یا ان لوگوں سے تھا جن کے ہاتھ میں جمال الدین افغانی اور محمد عبدہ کے ماہوار عربی رسائل العروۃ الوثقیٰ، المؤید، اللواء کے شمارے پڑے تھے یا ان فکرمند حضرات سے تھا جن کا تعلق مصر و شام کی عام عربی صحافت سے تھا جن میں بالواسطہ طور پر جمال الدین افغانی اور محمد عبدہ کے اصلاحی خیالات کا تذکرہ زیر بحث آتا تھا یا ان تھوڑے سے افراد سے تھا جو ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء میں شیخ محمد عبدہ کی جزائر کی زیارت کے موقع پر براہِ راست ان کے خیالات و افکار سے متاثر ہوئے تھے۔ اس بارے میں محمد رشید رضا نے اپنے استاد محمد عبدہ کی سیرت میں یہ وضاحت کی ہے:

> جب ۱۹۰۳ء کے موسم گرما میں امام محمد عبدہ نے جزائر اور تونس کی زیارت کی تو وہاں انھوں نے اس دینی جماعت کو پایا جو ماہنامہ المنار کے زیر اثر تشکیل پائی تھی...... وہاں کے بہترین علما میں کئی کتابوں کے مصنف عالم محمد بن غنوجہ اور عبدالحلیم بن سمایہ تھے۔ انھوں نے محمد عبدہ سے اس بات کی گذارش کی تھی کہ المنار کے ایڈیٹر (یعنی محمد رشید رضا) سے گذارش کریں کہ وہ اپنے رسالہ میں فرانسیسی حکومت کا اس طرح تذکرہ نہ کیا کریں کہ وہ اس کو برا معلوم ہو اور وہ المنار کے جزائر میں داخلہ پر پابندی لگا دے اس لیے کہ ہم اس رسالہ کو اپنی زندگی کے لیے ضروری سمجھتے ہیں، اگر جزائر میں اس کا آنا بند ہوگیا تو بس یہ سمجھئے کہ ہماری زندگی بھی ختم ہوگئی ..... تونس اور جزائر میں امام محمد عبدہ نے ایک ایسی جماعت بھی پائی جس کا ان کو علم نہ تھا، اس لیے کہ ان کے اور اس جماعت کے درمیان صرف رسالہ المنار ہی کا رابطہ تھا[1]

محمد علی کے مطابق انگریز مستشرق گب نے بھی ابن بادیس کی صدارت میں جزائری مسلم

---

[1] محمد رشید رضا، تاریخ الاستاذ الامام محمد عبدہ، ۸۷۲/۱ ۔ ۸۷۵

جمعیۃ العلماء کی تشکیل کا مقصد امام محمد عبدہ اور محمد رشید رضا کے افکار کے ترجمان المنار کے مکتب فکر کی تبلیغ قرار دیا ہے[1]

لیکن عبد الحمید بن بادیس کی سیرت کے مطالعہ سے نہ تو اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ محمد عبدہ کی اصلاحی تحریک سے اپنے وطن قسطنطنیہ میں تعلیم کے دوران متاثر ہوئے ہوں اور نہ اس بات کا ثبوت ہے کہ محمد عبدہ کی زیارت جزائر اور قسطنطنیہ ۱۹۰۳ء کے موقع پر ان کی ان سے براہ راست ملاقات ہوئی ہو۔ اگر یہ ملاقات ثابت بھی ہو جائے تو اس بات کا امکان کم ہے کہ ایک چودہ سالہ طالب علم اس مختصر سی ملاقات میں ان کے اصلاحی افکار کا احاطہ بھی کر لے اور ان کی اہمیت محسوس کر کے ان کا داعی بھی بن جائے، اس لیے یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے کہ وہ پہلے پہل تونس کی زیتونہ یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران اس تحریک سے بالواسطہ متاثر ہوئے ہوں جہاں وہ بیس سال کی عمر میں ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں گئے تھے۔ جیسا کہ انھوں نے اپنے شیخ اساتذہ محمد نخلی قیروانی (وفات ۱۹۲۴ء) اور شیخ محمد طاہر بن عاشور سے تاثر کے ذیل میں خود بیان کیا ہے:

> استاد محترم طاہر بن عاشور سے زیتونہ یونیورسٹی میں معرفت حاصل ہوئی۔ وہ ان دو علماء میں سے ایک تھے جن کے علمی رسوخ، تحقیقی نظر اور فکری بلندی و وسعت کا چرچا تھا: ان میں سے ایک تو استاد محترم علامہ محمد نخلی قیروانی تھے، اور دوسرے یہی ہمارے استاد طاہر بن عاشور۔ ان دونوں کی مذکورہ بالا صفات عالیہ کے باوجود ان کی گمراہی اور بدعت نواز ہونے کا شہرہ تھا، حالانکہ وجہ صرف یہ تھی کہ وہ دونوں امام محمد عبدہ کی اصلاحی آراء کی نہ صرف پر زور تائید کرتے تھے بلکہ اپنے شاگردوں میں ان کی نشر و اشاعت بھی کرتے تھے۔
>
> زیتونہ یونیورسٹی کے عام ماحول نے ایک مدت تک مجھ کو ان کے افکار و خیالات سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی، اس جامد ماحول سے میں

---

[1] مصطفیٰ محمد طحان، الصیادۃ فی العمل الاسلامی، اردو ترجمہ محمد سمیع اختر، انقلابی شخصیات، ہلال پبلیکیشنز، سنگاپور، ۱۹۸۸ء، ص ۱۳۲ بحوالہ محمد میلی، ابن بادیس و عروبۃ الجزائر۔ آئندہ صرف اردو ترجمہ کا حوالہ دیا جائے گا۔

عالمیت کی سند حاصل کرنے تک نجات نہ پا سکا، اس کے بعد جب
مجھے اپنے نفس پر پورا قابو حاصل ہوا تو میں نے ان دونوں سے دو
سال تک رابطہ قائم رکھا، جس کا میری علمی زندگی پر عظیم ترین اثر ہے۔
استاد محترم طاہر بن عاشور سے تو میرا رابطہ عالمیت کی ڈگری حاصل کرنے
سے ایک سال قبل ہی قائم ہو گیا تھا۔ استاد محترم نخلی سے میرے مستحکم
تعلق کا واسطہ خیر بنے تھے۔[۱]

اس وضاحت سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ جدید اصلاحی افکار سے ابن بادیس کا اولین تعارف زیتونہ یونیورسٹی کے دوران تعلیم (۱۲-۱۹۰۸ء) کے اواخر میں قائم ہوا، پھر جزائر کو جہالت و بدعت کے عام ماحول اور سامراج سے نجات دلانے کے لیے اس اصلاحی مکتب فکر کی صلاحیت وافادیت پر ایمان کامل اس وقت نصیب ہوا جب ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۳ء میں عالم عربی کے مشرقی خطہ کا سفر کیا، اس سفر میں فریضۂ حج کی ادائیگی کے ساتھ عالم اسلام کی نمایاں شخصیات سے ملاقات، تبادلۂ خیالات اور ان سے مستحکم روابط قائم کیے۔ ان میں قابل ذکر بزرگ علما یہ ہیں:

۱۔ ازہر کے سابق شیخ اور مفتی مصر محمد بخیت مطیعی (۱۲۷۱ھ-۱۳۵۴ھ/ ۱۸۵۴-۱۹۳۵ء) جن کا جمال الدین افغانی سے تعلق تھا اگرچہ بعد میں محمد عبدہ کی بعض اصلاحات کے وہ مخالف ہو گئے تھے۔

۲۔ شیخ حمدان تونسی۔ جن سے ابن بادیس نے عربی اور اسلامی علوم حاصل کیے تھے اور انھوں نے ان کو بیت اللہ کے قرب وجوار ہی میں قیام کا مشورہ دیا تھا۔

۳۔ شیخ حسین ہندی جنھوں نے اگرچہ خود حرمین شریفین کی مجاورت اختیار کر رکھی تھی لیکن ابن بادیس کو فوراً جزائر واپسی کی نصیحت کی تھی کہ وہاں ان کے علم وفکر اور رہنمائی کی سخت ضرورت ہے۔

۴۔ شیخ محمد بشیر ابراہیمی۔ جو ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں جزائر سے ہجرت کر کے حجاز پہنچے

---

[۱] ترکی رابح عمارۃ، رحلۃ مع العلامۃ عبدالحمید بن بادیس، العالم الاسلامی، مکہ مکرمہ، شمارہ ۱۴۸۲، ۲۵ نومبر ۱۹۹۶ء ص۱۲، بحوالہ جریدۃ البصائر، ۱۹۳۶ء۔ آئندہ صرف العالم الاسلامی کا حوالہ دیا جائے گا۔

تھے، مدینہ منورہ میں ابن بادیس کی ان سے ملاقات جزائر میں اصلاحی تحریک کے مستقبل کے لیے فالِ نیک ثابت ہوئی اور عمر بھر کی رفاقت میں تبدیل ہوگئی۔ جزائری مسلم جمعیۃ العلماء کی رہنمائی دونوں کے نصیب میں آئی۔ مدینہ منورہ کے ان یادگار ایام کا والہانہ تذکرہ کرتے ہوئے شیخ ابراہیمی لکھتے ہیں:

> جزائر پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان وکرم اور مستقبل میں پیش آنے والے معاملات سے قدرت کی آگہی کا نتیجہ تھا کہ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران میری اپنے بھائی اور دوست شیخ عبدالحمید بن بادیس سے ملاقات ہوگئی! میں بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ شمالی افریقہ کے عظیم ترین عالم اور جزائر میں علمی وادبی اور سیاسی و اجتماعی بیداری کے بانی تھے!
>
> ہم لوگ ہر رات کو مسجد نبوی میں عشاء کی نماز کے بعد سب سے آخر میں باہر نکلتے اور فجر کی نماز کے لیے سب سے پہلے مسجد میں داخل ہوتے! اس طرح صبح سے لے کر نصف رات تک ہم لوگ ساتھ رہتے! تقریباً تین ماہ تک ابن بادیس کے ساتھ میرا یہی معمول رہا! راتوں کی یہ سرگوشیاں اور مسلسل شب گذاریاں دراصل اس عظیم مہم کی تیاری تھی جو آپ کو جزائر میں انجام دینا تھی!
>
> آپ نے جزائر کے باشندوں میں مطلوبہ بیداری لانے کے لیے اپنے ذہن میں پورا منصوبہ تیار کر لیا تھا اور آپ اپنے عزم وارادہ میں مخلص تھے!
>
> میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ۱۹۱۳ء کی وہ راتیں ہی جمعیۃ العلماء المسلمین کی حقیقی بنیاد بنیں جو عملاً (۵ مئی) ۱۹۳۱ء میں معرض وجود میں آئی۔[۱]

حجاز سے واپسی کے بعد ابن بادیس نے شام، لبنان، مصر وغیرہ ممالک کا دورہ بھی کیا اور وہاں کے علماء، ادباء، مفکرین اور اسلامی تحریکوں کے رہنماؤں سے ملاقاتیں کیں اور ان سب کی رائے مشورے اور تجربات کی روشنی میں اپنے لیے راہِ عمل متعین کی

۱۔ محمد سمیع اختر، انقلابی شخصیات، ص ۱۲۵-۱۲۶ بحوالہ محمد بشیر ابراہیمی، مجلۃ مجمع اللغۃ العربیۃ قاہرہ، شمارہ ۲۱، ۱۹۶۴ء، ص ۱۴۰-۱۴۱، ۱۴۸

جس کا بنیادی رخ تعلیم و تربیت کے ذریعہ عام بیداری کی مہم سر کرنا تھی، ایسی بیداری جو ظلم و قہر و جبر پر مبنی سامراجی نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے، ان کا پیغام تھا:

> دینی یا دنیوی ہر طرح کے مظالم کے خلاف اجتماعی انقلاب کی روح پیدا کی جائے یہاں تک کہ کوئی ظالم ان پر ظلم نہ کرسکے [۱۱]

اندرونی عوامل

جزائر میں اصلاحی تحریک کی نشوونما کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے عوامل واسباب میں فرانسیسی سامراج کی پورے ایک سو بتیس[۱۳۲] سال (۱۸۳۰-۱۹۶۲ء) کی ان ظالمانہ پالیسیوں کا بڑا دخل تھا جو اُس نے اِس مسلم عرب ملک پر قبضہ کے بعد اس کے عرب اسلامی تشخص کو مٹانے، اس کو مستقل طور پر اپنی کالونی میں تبدیل کرنے بلکہ بموجب قانون مورخہ ۲۲ / جولائی ۱۸۳۴ء اس کو اپنی ملکیت ثابت کرنے کے لیے کھلّم کھلّا اپنا رکھی تھیں، جیسے:

استناسب آبادی کی تبدیلی

مقامی آبادی کو قابو میں رکھنے کے لیے فرانس اور یورپ کے باشندوں خاص کر کاشتکاروں کو سبز باغ دکھا کر جزائر میں بڑے پیمانے پر ان کی آبادکاری کی مہم جاری ہوئی جس کی وجہ سے مقامی باشندوں کی اپنی موروثہ زرخیز زمینوں سے بے دخلی عمل میں آئی اور وہ اپنے ہی ملک میں صحراؤں کی ریت چھاننے اور پہاڑوں کی خاک پھانکنے پر مجبور ہوئے۔ اس موضوع پر فرانس کے گورنر جنرل مبیہ متعینہ جزائر کا وہ بیان قابل توجہ ہے جو اس نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ فرانسیسی پارلیمنٹ میں دیا تھا۔

> فرانس اور یورپ کے باشندوں کی ایک کثیر تعداد کو جزائر کی طرف ہجرت کرنا ناگزیر ہے۔ ہمارے کسانوں کو بھی اپنی معاشی حالت سدھارنے اور زیادہ سے زیادہ کمانے کی غرض سے جزائر کی طرف کوچ کرنا چاہیے۔

---

۱۱ حوالہ بالا ص ۱۵۳ بحوالہ تفسیر ابن بادیس، ص ۲۲۳، ۴۰۹

ان کاشتکاروں کو نہری علاقوں کے قریب زرخیز زمینیں دی جائیں گی، اس سے کوئی بحث نہیں کہ ان زمینوں پر پہلے سے کس کا قبضہ ہے! ہر ایک سے پہلے ان کو یہ زمینیں دی جائیں گی!

جہاں تک جزائر کے موجودہ باشندوں کا سوال ہے تو ایسے منصوبے تیار کیے جارہے ہیں کہ وہ شہر چھوڑ کر صحرا کا رخ کریں جو ان کا اصل وطن ہے! پھر آپ لوگ ان شہروں میں آسانی کے ساتھ عمدہ زندگی گذار سکیں گے! فرانس کے لیے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اسے اپنی سیاست میں اخلاقی اور انسانی قدروں کو خیرباد کہنا پڑے! اس کے لیے تو سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ہر قیمت پر جزائر میں فرانسیسی سامراج قائم و دائم رہے۔

اس کے لیے ہم بربری علاقوں میں یورپی تہذیب کو فروغ دینے کی کوشش کریں گے۔ اس مقصد تک پہنچنے کا سب سے اہم اور مؤثر طریقہ یہ ہے کہ عوام میں خوف و دہشت پھیلادی جائے۔ ہم اس بات پر قادر ہیں کہ اپنے افریقی دشمنوں کے خلاف توپوں اور بندوقوں سے جنگ کریں، صحرائی اور پہاڑی قبائل کے درمیان فتنہ کی آگ بھڑکادیں، یہاں کے باشندوں کو تاریکیوں میں دھکیل دیں، ان کے درمیان شروفساد کا بیج بودیں، اختلافی مسائل کو ہوا دے کر ان کے درمیان انتشار و نار کی پھیلادیں[۱]۔

۲۔ مذہبی تبدیلی

ناجائز قبضہ کو مستقل طور پر مستحکم کرنے کے لیے غیرملکی عیسائی مبلغین کی فوج ظفر موج کو عرب اور بربر دونوں کی مذہبی تبدیلی کے لیے کھلی چھوٹ دی گئی، جبکہ سیاست و حکومت میں دین و دنیا کی تفریق کے قائل اور قائد انقلابی فرانس میں عیسائی مذہبی رہنماؤں کو عرصہ سے قومی دھارے سے علیحدہ کیا جاچکا تھا، لیکن جزائر پر قبضہ کے فوراً بعد ایک فرانسیسی

---

[۱] حوالہ بالا ص ۱۱۹-۱۲۰ بحوالہ بودلیشون، خواطر عن الجزائر، ص ۱۵۰-۱۵۱۔

فوجی کمانڈر نے اس کے ساتھ آئے ہوئے ایک پادری کو لکھا تھا:

"آپ ہمارے ساتھ یہاں اس لیے تشریف لائے ہیں کہ افریقہ میں ازسرِ نو عیسائیت کی شروعات کریں" [1]

اس لیے کہ ان سامراجیوں اور ان کے معاونین کے خیال میں:۔

"اسلام اب بوسیدہ ہو چکا ہے اس لیے بیس سال کے اندر جزائر میں عیسائیت کے علاوہ کوئی دوسرا دین نہ ہوگا اور عرب اس وقت تک فرانس کی رعایا نہیں بن سکتے جب تک وہ تمام کے تمام مسیحیت قبول نہ کرلیں" [2]

ان حالات میں سرکاری سرپرستی کے نشہ میں چور ایک عیسائی مبلغ کے عزائم اس کے ان الفاظ سے ظاہر ہیں:

"ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم جزائر کی اس سرزمین کو عیسائیت کا گہوارہ بنادیں، ملک کا ہر گوشہ عیسائی تہذیب و کلچر سے منور ہو جائے اور یہاں کی ثقافت کا سرچشمہ انجیل ہو" [3]

جزائری علماء کی مجاہد جماعت ان سامراجی حربوں سے پوری طرح واقف اور ان کی سازشوں کے تار و پود بکھیرنے کے لیے ہمہ وقت کوشاں تھی۔ ابن بادیس کے ہمراز رفیق کار محمد بشیر ابراہیمی لکھتے ہیں:

ناپاک سامراجی، تلوار اور صلیب لے کر جزائر میں داخل ہوئے: تلوار فتح کرنے اور صلیب اقتدار کو باقی رکھنے کے لیے تھی۔

اس نے ملک کو فتح کر لیا اور بندگان خدا کو غلام بنانا شروع کیا، عوام پر بھاری بھرکم ٹیکس لاد دیئے، لوگوں کے دل و دماغ پر پہرے بٹھا دیئے۔

اگر وہ ان ہی معاملات پر بس کرتا تو ہم سمجھ لیتے کہ دنیوی لذات و شہوات

---

[1] حوالہ بالا ص۱۲۲ بحوالہ فرحات عباس، لیل الاستعمار ص۹۱

[2] حوالہ بالا ص۱۲۳ بحوالہ کولیت اور فرانسیس جانسون، ص۱۴

[3] حوالہ بالا ص۱۲۶ بحوالہ فرانس فانون، الثورۃ الجزائریۃ فی عامہا الخامس۔

کو حاصل کرنا ہی اس کی انتہا ہے، مگر اس نے اسی پر بس نہ کیا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وہ حیوانیت پر اتر آیا، اس نے لوگوں کو کھانا شروع کردیا۔
وہ عیسائی مذہب کا پابند تھا، اس نے روزِ اوّل ہی سے اسلام کے لیے رکاوٹیں کھڑی کرنا شروع کیں، اس کی حرمتوں کو پامال کیا، مسلمانوں کے اوقاف پر بالجبر قبضہ کرلیا، ان کی عبادت گاہوں کو منہدم کردیا یا ان کو گرجا گھروں میں تبدیل کردیا، اجارہ داری اور استحصال کے اصولوں پر حکومت قائم کی، تشدّد اور سختی اس کے مزاج میں داخل تھی، یہ سب اس کی عیسائی ذہنیت کا نتیجہ تھا۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سخت نفرت اور انتقام کا جذبہ رکھتا تھا۔
اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے یہودیت کو بھی فروغ دینا شروع کیا، یہودیوں کو تحفظ دیا، حکومت میں ان کو شریک کیا تاکہ وہ اسلام کے خلاف ہونے والی جنگ میں اس کا ساتھ دیں" [1]

۳۔ لسانی و تہذیبی تبدیلی

ملک و زمین کو ہڑپ کرنے اور دین و مذہب پر ڈاکہ ڈالنے کے ساتھ ظالموں نے جزائریوں کو عربی زبان و ادب اور اسلامی علوم و فنون سے محروم کرنے میں بھی کسر نہ چھوڑی تاکہ ان کا قومی اتحاد پارہ پارہ ہوجائے اور ان کی امتیازی شناخت فنا ہوجائے اس طرح ان کو فرانسیسی یورپی عیسائی تہذیب میں ضم کرنے کے بنیادی مقصد کے حصول میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔

اس ناپاک مقصد کے لیے اس نے سب سے پہلے قومیتوں میں منقسم یورپ کے معاشرہ کے اصول پر جزائری عوام کو بھی عرب اور بربر قومیتوں میں تقسیم کرکے نہ صرف عربی اور بربری زبانوں کا جھگڑا اکھڑا کیا بلکہ بربریوں میں "امازیغ" نسل پرستی کو بھی ہوا دی ان کے ملک کا قدیم نام "غال" یاد دلاکر ان کا تعلق فرانس کے قدیم بت پرست باشندوں

---

[1] حوالہ بالا ص ۱۵۶ بحوالہ محمد لبشیر ابراہیمی، عیون البصائر، دار المعارف، ۱۹۶۴ء، ص ۵۵
۴۱۲

"سلت" سے ثابت کیا اور اس خلیج کو گہرا کرنے کے لیے امازیغی عائلی قوانین جاری کیے جس کی وجہ سے بربریوں کے ایک طبقہ میں عربی زبان وادب اور علوم وفنون سے دوری اور نفرت کا چرچا اب تک سننے میں آتا ہے۔ کسی قوم کے مزاج، ذہنیت اور نفسیات میں دوررس تبدیلیاں لانے کے لیے اس کے نظام تعلیم وتربیت کو نشانہ بنانا ہمیشہ سے کارگر ہتھیار رہا ہے، چنانچہ ۱۸۴۷ء میں فرانسیسی مجسٹریٹ طوکفیل نے سامراجی حکومت کے کارنامے گناتے ہوئے برملا کہا:

> جزائری معاشرہ غیر تہذیب یافتہ ہے اس لیے کہ اس کی تہذیب نہایت دقیانوسی اور ناقص ہے۔ اس بوسیدہ تہذیب کو فروغ دینے کے لیے انھوں نے بہت سارے دینی مدارس کھول رکھے تھے ..... ہم نے ان مدارس کے بنیادی اہم مقامات پر قبضہ کرلیا ہے، ان کے ثقافتی اداروں کو برباد کر دیا ہے اب علم وعرفان کے یہ بلند ستون زمیں بوس ہو گئے اور جزائر میں علم کے چراغ گل ہو گئے۔ ہم نے ان کے اتحاد کا شیرازہ بری طرح منتشر کر دیا ہے۔ ہم نے مسلم علماء وفقہاء کو عملی زندگی سے اس طرح بے دخل کر دیا کہ وہ عضوِ معطل ہو گئے۔ ہم نے عام مسلمانوں کو غربت، افلاس اور بھوک کے منھ میں دھکیل دیا ہے اور وہ اپنی موت کے آخری دن گن رہے ہیں۔ بالآخر ہم نے ان کو غلاموں کی سی زندگی گذارنے پر مجبور کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہم سے سخت ناراض ہیں[1]۔

۱۸۸۳ء میں فرانس کے وزیر تعلیم جول فیری نے اس وقت تک کے فرانسیسی عصری مدارس کے نتائج پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

> جزائری قوم کے وطنی جذبہ کو ختم کرنے میں یہ مدارس کسی تیز دھار دار اسلحہ کا کام انجام دے رہے ہیں ورنہ قومی روح اور ملّی شعور باقی رہنے کی صورت میں جزائر میں انقلابات اور مظاہروں کا سلسلہ جاری رہتا اور ہمارے لیے قدم جمانا مشکل ہو جاتا[2]۔

---

[1] حوالہ بالا ص ۱۲۹-۱۳۰، بحوالہ فرحات عباس، لیل الاستعمار، ص ۱۰۴-۱۰۵

[2] حوالہ بالا ص ۱۶۱ بحوالہ ترکی رابح عمارۃ الشیخ عبدالحمید بن بادیس: رائد الاصلاح والتربیۃ، فی الجزائر ص ۱۲۵

عوامی چندوں سے چلنے والے تھوڑے سے دینی مدارس بھی جب فرانسیسی سامراج کو گوارا نہ ہوئے تو ۲۴ دسمبر ۱۹۰۴ء کو ایک قانون پاس کیا گیا جس کی رو سے کسی جزائری باشندے کو عربی مدرسہ کھولنے یا اس کی سرپرستی کی اجازت نہیں رہی گورنر جنرل یا فوجی حاکم کی مخصوص اجازت صرف حفظ قرآن کے لیے مل سکتی تھی لیکن اس شرط کے ساتھ کہ ان حفظِ قرآن کے مکاتب میں تفسیر و حدیث، عربی زبان و ادب، تاریخ اسلام و عرب جزائر، جغرافیہ عرب و جزائر اور ریاضی و سائنس کے مضامین کی تعلیم کی اجازت نہ ہوگی[1]

ان ناگفتہ بہ حالات میں عبدالحمید بن بادیس نے ۱۹۱۳ء میں اپنے وطن قسطنطنیہ میں عربی تعلیم و تدریس کا آغاز کیا جو جزائر میں تعلیم و تربیت کے میدان میں سنگ میل ثابت ہوئی اور سرکاری مزاحمتوں کے باوجود ۱۹۳۱ء میں جزائری جمعیۃ العلماء کی رہنمائی میں عوامی آزاد تعلیمی تحریک کی شکل میں تبدیل ہوئی۔ محمد بشیر ابراہیمی جزائر میں ناکافی سرکاری تعلیم کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ہمارے (دینی) مدارس ایسے طلباء سے بھرے پڑے ہیں جن کو سرکاری اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا، ان کی تعداد نوّے فیصد ہے جبکہ ان کے والدین پابندی سے حکومت کو ٹیکس ادا کرتے ہیں اور فوجی ذمہ داریوں کو بخوبی انجام دیتے ہیں۔
>
> ہم نے کبھی بھی فرانسیسی (عصری) تعلیم کے خلاف ٹکراؤ کی پالیسی اختیار نہیں کی بلکہ ہم تو اس کے حصول کے لیے لوگوں کو ابھارتے ہیں اس لیے کہ اسے دورِ جدید کے ہتھیاروں میں سے ایک ہتھیار سمجھتے ہیں!
>
> ہماری خواہش تھی کہ ہمارے طلباء (دینی و عصری) دونوں طرح کی تعلیم حاصل کریں تاکہ دونوں کے فوائد سے بہرہ ور ہوں! ہمارے پیش نظر تو یہ بات تھی، جبکہ (سامراجی) حکومت چاہتی تھی کہ ہمارے بچے اسلامی و عربی تعلیم حاصل کرنے کے بجائے بیکاری اور لاپرواہی کی زندگی گذاریں پھر جب ہم نے اپنے مذہب کی بقا اور امت کی فلاح کی خاطر اپنی

---

[1] حوالہ بالا ص ۱۱۳ اور ص ۱۶۱ بحوالہ انور الجندی، الفکر والثقافۃ المعاصرۃ فی شمال افریقیا، ص ۱۲۲-۱۲۳
۱۴

ذمہ داریوں کو کما حقہٗ ادا کرنے کا ارادہ کر لیا تو حکومت ہماری مخالفت اور ہمارے لیے رکاوٹیں کھڑی کرنے پر کمربستہ ہوگئی[1]

آخر میں ۸ مارچ ۱۹۳۸ء کو وہ قانون منظور ہوا جس کی رو سے عربی زبان کو جزائر میں غیر ملکی زبان کی حیثیت دیدی گئی، جمعیۃ العلماء کے رہنماؤں نے اس کو جزائری قوم کی عزت و کرامت پر سنگین حملہ سمجھا اور کھل کر اس کی مخالفت کے لیے میدان میں آگئی اور جمعیۃ کے صدر عبدالحمید بن بادیس نے جنگ کا اعلان کرتے ہوئے ببانگ دہل لکھا:

"بخدا ہم اپنے خلاف ہونے والی سازشوں کو خوب سمجھ چکے ہیں۔ ہم اسلام اور عربیت کے مخالف دشمنوں کے خلاف اعلان جنگ کرتے ہیں!
ہم نے اس جنگ کا پختہ ارادہ کر لیا ہے! انشاء اللہ ہم تمام مخالفتوں اور رکاوٹوں کے باوجود دین اسلام اور عربی زبان کی تعلیم و تدریس کو جاری رکھیں گے! ہمیں اس ارادہ سے کوئی چیز باز نہیں رکھ سکتی! ہم کسی قیمت پر اپنے ہاتھوں سے اس کا خون نہیں ہونے دیں گے! ہمیں یقین ہے کہ انجام ہمارے ہاتھ ہوگا! خواہ مشکلات کی کتنی ہی یورش کیوں نہ ہو فتح و نصرت ہماری تقدیر ہوگی! اس لیے کہ ہمارا اس پر ایمان کامل ہے اور ہم اس کے عینی شاہد بھی ہیں! اسلام اور عربی زبان کو ہمیشہ باقی رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے خواہ پوری دنیا اس کی مخالف کیوں نہ ہو جائے۔"[2]

ابن بادیس کو اس برملا اعلان کا حق تھا اس لیے کہ ان کا یقین محکم تھا۔

جزائر کے شاندار ماضی، روشن حال اور تابناک مستقبل کے درمیان صرف عربی زبان ہی کے ذریعہ تعلق کو مضبوط کیا جا سکتا ہے اس لیے کہ یہی ہماری دینی و مذہبی اور ملی زبان ہے[3]

---

[1] حوالہ بالا ص ۱۶۲ بحوالہ محمد البشیر ابراہیمی، عیون البصائر ص ۲۳۹ - ۲۴۰

[2] حوالہ بالا ص ۱۵۷ بحوالہ البصائر، ۸ اپریل ۱۹۳۸ء ص —

[3] حوالہ بالا ص ۱۶۳ بحوالہ البصائر، شمارہ ۱۲۱، ۱۹۳۹ء ص ۵ ۱۵م

۴۔ شہریت کی تبدیلی

آخر میں شہری حقوق کے حق دار بننے کے لیے مقامی آبادی کو لازمی طور پر فرانس کی شہریت اختیار کرنے کے لیے مجبور کرنا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ جزائر کے عرب مسلمان اب اپنے وطن کی طرف نام کی نسبت کے جذباتی دھاگہ کو بھی تار تار کر دیں اور کورے کاغذ پر فرانس کے باشندوں کے ہمسر بننے کی لالچ میں ان کے وضعی، خاص کر عائلی قوانین کے بھی پابند ہو جائیں۔ یہ مہم ۱۹۳۲ء میں تونس سے شروع ہو کر پورے شمالی افریقہ میں پھیلی تھی جس میں جزائر بھی شامل تھا۔ اس فتنہ کے مقابلہ کے لیے جمعیۃ العلماء کے بیدار مغز رہنما سامنے آئے اور انھوں نے اپنی تحریری و تقریری کوششوں کے ذریعہ اس کے خلاف ملک کے کونے کونے میں عوامی لہر پیدا کر دی۔ عبدالحمید بن بادیس نے بے لاگ لپیٹ لکھا:

> جزائری قوم فرانسیسی قوم نہیں ہے، نہ ہو سکتی ہے، نہ وہ ایسا پسند کرتی ہے اور اگر چاہے بھی تو وہ فرانسیسی نہیں بن سکتی ہے اس لیے کہ اس کا فرانسیسیت سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ وہ اپنی زبان، اخلاق و عادات، دین و مذہب اور حسب و نسب ہر اعتبار سے ان سے یکسر مختلف ہے، وہ فرانسیسیت کو قبول نہیں کرنا چاہتی ہے، اس کے لیے جزائر ہی اس کا ملک و وطن ہے![1]

پھر ان کی قیادت میں جمعیۃ العلماء نے غیر اسلامی شہریت اختیار کرنے والے مسلمانوں کے کفر و ارتداد کا فتویٰ دیا:

> فرانسیسی افراد سے مشابہت اختیار کرنے کی غرض سے اسلام کے اجتماعی و انفرادی اصولوں کی خلاف ورزی کفر کے مترادف ہے۔[2]

اور ابن بادیس نے اس کی یہ دلیل دی:

---

[1] حوالۂ بالا ص ۱۵۴ بحوالہ الشہاب، ۹/ ۱۳، نومبر ۱۹۳۶ء

[2] حوالۂ بالا ص ۱۵۵ بحوالہ البصائر، ص ۹۵، ۱۴ر جنوری ۱۹۳۸ء

اسلام کو چھوڑ کر کسی اور قوم کی شہریت طلب کرنا احکام شریعت کی کھلی ہوئی نافرمانی ہے اور جس کسی مسلمان نے اس کے احکام میں سے کسی ایک حکم کی بھی نافرمانی کی وہ بالاتفاق مرتد ہوگیا، اس طرح غیر اسلامی شہریت اختیار کرنے والا بھی بالاتفاق مرتد ہے، نہ تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور نہ ہی اس پر مسلمانوں کے احکام جاری ہوں گے[1]

پھر ایک استفسار کے جواب میں اپنے موقف کا اعادہ کرتے ہوئے فرانسیسی شہریت واپس کرکے توبہ کی گنجائش نکالی تھی اور لکھا تھا:

میں اس موضوع پر دوبار تفصیل سے اظہار خیال کرکے اپنا دینی فریضہ ادا کرچکا ہوں[2]

خوش قسمتی سے اس اہم موقع کی دیگر قیمتی نادر تحریریں اور فتاوی میں سے کچھ برطانیہ کے شہر برمنگھم سے شائع ہونے والے عربی ماہنامہ "السنۃ" نے گذشتہ دو سالوں میں دوبارہ شائع کردی ہیں جو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے مرکز مطالعات مغربی ایشیا کی لائبریری میں بھی محفوظ ہیں جیسے:

مکتب الاخبار التونسیۃ کا تیار کردہ رسالہ الحملۃ الصلیبیۃ علی الاسلام فی شمال افریقیا (شمالی افریقہ میں اسلام پر صلیبی حملہ) جس کو مشہور عالم محب الدین الخطیب نے مسئلۃ تجنیس المسلمین بالجنسیۃ الفرنسیۃ (مسلمانوں کا فرانسیسی شہریت اختیار کرنے کا مسئلہ) کے نام سے ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں مکتبہ سلفیہ مصر سے بھی شائع کیا تھا۔

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ فرانسیسی سامراجی حکومت نے مذکورہ قانون پر عوامی ردّعمل کو دبانے کے لیے سرکاری علماء سے اس کے حق میں فتوی لیا تھا لیکن اس سے مسئلہ رفع ہونے کے بجائے اور بگڑ گیا، اس سرکاری فتوی کے جواب

---

[1] حوالہ بالا ص ۱۲۸ بحوالہ البصائر، ۹۵، ۱۹۳۸ء،

[2] عربی ماہنامہ السنۃ برمنگھم، برطانیہ، شمارہ مٹا ۵، جنوری ۱۹۹۶ء، ص ۱۰-۱۰۶ بحوالہ آثار الامام عبدالحمید بن بادیس بحوالہ البصائر ۳/۹۵، جنوری ۱۹۳۸ء

ء۱۷

میں شیخ احمد عیاد اور شیخ تہامی عمار نے کھل کر فرانسیسی شہریت اختیار کرنے والے مسلمان کے ارتداد اور اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ نہ کرنے کا فتویٰ دیا، جس کی تائید مصر سے ازہر کے سابق وکیل (سکریٹری)، شیخ محمد شاکر، ایڈیٹر المنار سید محمد رشید رضا اور شیخ علی سرور نے کی، اور فرانسیسی شہریت اختیار کرنے والے مغرب زدہ مسلمانوں کی شادی بیاہ، تجہیز و تدفین وغیرہ کے مسائل اٹھ کھڑے ہوئے، جن کو حل کرنے کے لیے سامراجی اقتدار نے تشدد کا راستہ اپنایا تو جگہ جگہ خون خرابہ ہوا اور لاتعداد جانیں تلف ہوئیں۔[1]

اس موضوع پر دیگر شائع شدہ فتاوی درج ذیل علماء یا اداروں کے ہیں:

ازہر کے بزرگ علماء کی مجلس کے رکن شیخ یوسف دجوی کا فتویٰ[2]

ازہر کے شیخ علی محفوظ کی صدارت میں جمعیۃ الھدایۃ الاسلامیۃ کی تشکیل کردہ کمیٹی کا فتویٰ[3]

تونس کی وطنی پارٹی کے استفتاء کے جواب میں سید محمد رشید رضا کا فتویٰ[4]

لیبیا اور مراکش کے بالترتیب ۱۹۴۷ء اور ۱۹۵۳ء کے حالات کے سیاق میں ازہر کے دو فتوے بعنوان موالاۃ المستعمرین خروج من الدین (سامراجیوں کی ہمنوائی اسلام سے بغاوت ہے)[5]

ان تمام فتاویٰ میں جو ممالک اسلامی شریعت کے خلاف احکام کے پابند ہیں ان کی شہریت اختیار کرنے کو ارتداد قرار دیا گیا ہے اس لیے کہ ایسا کرنے والا مسلمان گویا نئی شہریت کو اسلامی شریعت سے بہتر سمجھتا ہے، لہٰذا یہ بات ایسی ہی ہے جیسے کوئی مسلمان ایمان کے بدلے کفر کو اختیار کرلے۔ فی الوقت ان فتاویٰ سے کوئی

---

[1] حوالہ بالا، شمارہ ۴۶، شوال ۱۴۱۵ھ (مارچ ۱۹۹۵ء) ص ۱۰۱-۱۰۸۔ شمارہ ۴۷، ذوالقعدۃ ۱۴۱۵ھ (اپریل ۱۹۹۵ء) ص ۱۰۲-۱۱۱۔ شمارہ ۴۸، ذوالحجۃ ۱۴۱۵ھ (مئی ۱۹۹۵ء) ص ۸۰-۹۵

[2] حوالہ بالا شمارہ ۴۹، محرم ۱۴۱۶ھ (جون ۱۹۹۵ء)، ص ۹۰-۹۶

[3] حوالہ بالا، شمارہ ۵۰، ربیع الاول ۱۴۱۶ھ (اگست ۱۹۹۵ء) ص ۹۳-۱۰۲

[4] حوالہ بالا شمارہ ۵۴، فروری ۱۹۹۶ء ص ۸۹-۹۹۔ اور شمارہ ۵۶، مئی ۱۹۹۶ء، ص ۹۹-۱۰۸

[5] حوالہ بالا، شمارہ ۵۷، جون ۱۹۹۶ء ص ۹۱، ۹۹

اتفاق کرے یا نہ کرے لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ قدیم تحریریں شمالی افریقہ کے اُس وقت کے سیاسی، سماجی اور دینی حالات اور اس کشمکش پر جو سامراج سے جاری تھی بھرپور روشنی ڈالتی ہیں اور ان مجاہد علماء کے نقطۂ نظر کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں۔

ان تحریری کوششوں پر علمائے جزائر کی تقریری مساعی کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ خود عبدالحمید بن بادیس کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ ۱۹۱۳ء سے ایک عرصہ تک اپنے وطن قسطنطنیہ کی الجامع الاخضر (ہری مسجد) میں قرآنی تفسیر کے اسباق، مواعظ کی مجلسوں اور وقتاً فوقتاً ان کی ادارت یا سرپرستی میں شائع ہونے والے جرائد اور رسالوں جیسے:

۱۹۲۵ء میں المنتقد (نقّاد) اور الشہاب (شعلہ یا شہاب ثاقب تارہ)

۱۹۳۳ء میں السنۃ المحمدیۃ (سنت محمدی)، الشریعۃ المطہّرۃ (پاک شریعت) اور الصراط السوی (ہموار راستہ)

۱۹۳۵ء میں ان کی تنظیم جمعیۃ العلماء کے ترجمان جمعیۃ اور البصائر کے ذریعہ عمومی بیداری کا کام جم کر انجام دیتے رہے۔

ان کے تفسیری اسباق کے پہلے تو صرف اقتباسات ان ہی کے جرائد و رسالوں میں شائع ہوتے تھے، بعد میں ان کو مجالس التذکیر کے نام سے جمع کرکے یکجا شائع کر دیا گیا ہے۔[1]

مفسرین کے درمیان فقہی اختلافات اور معنوی تاویلات سے پیدا ہونے والے ذہنی انتشار سے بچنے کے لیے شیخ تجلّی نے ابن بادیس کو جو مشورہ دیا تھا وہ خود ان کے الفاظ میں یہ تھا:

> ان اختلافی اقوال، اضطراب کن تاویلات اور پرپیچ تعبیرات میں اپنے ذہن کو منصف بنا لو، وہ خود صحیح و غلط کے درمیان فیصلہ کر دے گا۔
>
> بخدا اس مختصر کلام سے میرے ذہن کا بوجھ ہلکا ہو گیا اور میں فرحت و کشادگی محسوس کرنے لگا۔[2]

---

[1] خیرالدین زرکلی، الاعلام دارالعلم للملایین، بیروت ۱۹۹۰ء، ۲۸۹/۳

[2] محمد سمیع اختر، انقلابی شخصیات ص ۱۳۷-۱۳۸ بحوالہ الشہاب، ۱۴/۳، ۱۹۳۸ء، ص ۲۸۹-۲۹۰ ،۲۱۹

ظاہر ہے کہ شیخ تجلّی کا یہ مشورہ ابن بادیس جیسے ماہر عالم اور اسلام کے وفادار خادم کے لیے تھا نہ کہ ہر چھوٹے بڑے مدّعی علم و اخلاص متجدّد کے لیے جن کا ازدحام روز بروز بڑھتا جاتا ہے اور جن کی طبع آزمائیوں کی زد سے شریعت کا کوئی چھوٹا بڑا پہلو باقی نہیں رہ گیا ہے۔

بیرونی عوامل

جزائر کی اصلاحی تحریک کے نشو و نما میں مذکورہ اندرونی عوامل کے علاوہ بیرونی سباب کا بھی بڑا دخل تھا جیسے:

- انیسویں صدی کے نصف آخر میں عالم عربی و اسلامی کے یورپی ممالک سے سیاسی، وجی اور تہذیبی ارتباط و ٹکراؤ کے نتیجہ میں عوامی بیداری اور اپنے مستقبل کی فکر۔
- عرب ممالک کے مشرقی خطہ میں جمال الدین افغانی، محمد عبدہ اور ان کے ہمنوا شاگردوں وغیرہ کے جرائد و رسائل 'العروۃ الوثقیٰ'، 'المؤید' اللواء، المنار وغیرہ کے غیر محدود اثرات۔
- عرب ممالک میں زیر تعلیم اور پناہ گزیں یا مہاجر جزائری علماء جیسے محمد بشیر ابراہیمی، طیب عقبی، العربی التبسی وغیرہ کی جزائر واپسی۔
- عالمی جنگ عظیم اوّل کے نتیجہ میں سیاسی و سماجی اور دینی و تہذیبی حالت کی مزید ابتری کا صدمہ، اس صورت حال کو بدلنے اور اس کی جامع و شامل اصلاح کا احساس اور اس کے لیے عملی جدوجہد و پیش قدمی۔

جزائر میں اس سرگرم جدوجہد کی پیشوائی عبدالحمید بن بادیس کے حصہ میں آئی، انھوں نے انتہائی سوجھ بوجھ اور صبر و استقامت سے ستائیس سال (۱۳-۱۹۴۰ء) تک مسلسل رہنمائی کی اور اپنے شاگردوں اور اپنی تحریروں کے ذریعہ جزائر کے گوشہ گوشہ میں اپنے اصلاحی خیالات کو پھیلا دیا۔ انھوں نے ۱۹۱۳ء میں اس مہم کی ابتدا کی تو تعلیم و تربیت کے ذریعہ معاشرہ کے ناپسندیدہ بگڑے ہوئے عادات و اطوار پر بغیر رورعایت کے تنقید کی اور عقائد و افکار، اخلاق و عادات اور سماجی آداب عامّہ پر ان کے ناگوار اثرات کے انجام سے باخبر کیا۔ وہ پیشہ ور سیاست دانوں اور مذہبی اجارہ داروں کے برخلاف اپنی ذات اور خاندان سے زیادہ اپنے وطن اور امت کے لیے جیتے تھے اس لیے وہ

جزائریوں کے ذہن وعقل کو فاسد عقائد اور باطل افکار سے نجات دلانے کی زیادہ صلاحیت رکھتے تھے اور اسی وجہ سے وہ اپنے ارد گرد مخلص داعیوں کی ایسی پرجوش جماعت پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے جو ان کے اصلاحی افکار وآرار کی نشر واشاعت کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دے اور معاشرہ کو خرافات اور جاہلی رسوم ورواج سے نجات دلانے کے ساتھ اس کو سامراجی غلبہ واقتدار سے بھی آزاد کرائے۔ جزائر کی آزادی کے لیے جہاد کے قائل اور اصلاح معاشرہ کی تحریک سے وابستہ رہنما کی حیثیت سے ابن بادلیس روایتی جامد موروثی اسلام کو مطلوب انقلاب کے لیے کافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ غور وفکر اور تحقیق وجستجو سے حاصل کردہ، حرارت ایمانی سے لبریز حقیقی متحرک اسلام کو ضروری سمجھتے تھے جو ان کے الفاظ میں ذاتی دریافت سے حاصل ہوتا ہے۔

> ماضی قریب میں جبکہ مسلم اقوام تنزل وانحطاط اور پستی وزبوں حالی کا شکار تھیں تو ایسا نہیں تھا کہ وہ دینِ اسلام کی پابند نہ تھیں، وہ اسی موروثی اسلام پر کاربند تھیں جس کے ذریعہ امت اسلامی کے اندر حرکت وبیداری آج بھی پیدا نہیں کی جا سکتی۔
>
> ذاتی اسلام یہ ہے کہ اس کی بنیادوں کو سمجھا جائے، اس کے اختیار کرنے کی صورت میں عقیدہ ومسلک، اخلاق وکردار، آدابِ معاشرت اور دیگر اعمال میں جو اچھائیاں رونما ہوتی ہیں ان کا احساس ہو، ایک مسلمان حسبِ استطاعت قرآنی آیات واحادیث نبوی کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ یہ تمام چیزیں غور وفکر کے بعد ہی حاصل ہو سکتی ہیں ایسی صورت میں مسلمان کے ایمان ویقین اور فکر وعمل میں تازگی اور زندگی پیدا ہوگی، وہ محض عقیدت وتقلید کی بنا پر اسلام سے محبت نہیں کرے گا بلکہ عقل ودلیل کی روشنی میں انشراحِ قلب کے ساتھ اسلام سے محبت کرے گا۔[1]

جزائر کے سیاق میں اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] حوالہ بالا ص ۱۳۸-۱۳۹ بحوالہ الشہاب ۳/۱۴، فروری ۱۹۳۸ء ص ۱۰۵-۱۰۷
۴۲۱

> ہم نے ماضی میں اس نکتے کو فراموش کرکے دیکھ لیا کہ ہم سے باطل قوم تو کیا اس کا ایک فرد بھی خائف یا مرعوب نہیں ہوا اور نہ ہم کسی کے سامنے اپنے وجود کو منوانے میں کامیاب ہوئے۔ آج ہم نے اس نکتے کی طرف معمولی توجہ دی ہے اور اپنے قیمتی سرمائے سے زندہ تعلق استوار کیا ہے تو ہم نے یہ پوزیشن حاصل کرلی ہے کہ ہم اپنے وجود کو علانیہ طور پر منوا سکتے ہیں! اب دوسروں سے مرعوب ہونا تو الگ رہا ہم خود ان کو خوف و دہشت میں مبتلا کر سکتے ہیں![۱]

اسلام کے اس تصور کی روشنی میں تصوف کے بارے میں ابن بادیس کے خیالات کو بھی صحیح معنوں میں بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔ عالم اسلام کے دیگر اصلاحی مکاتب فکر کی طرح ان کی تحریک کو بھی بنیادی طور پر تصوف کے خلاف سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ خلافِ واقعہ ہے۔ یہ صحیح ہے کہ یہ لوگ اس پیشہ ورانہ کاروباری تصوف کے خلاف تھے جس کے ڈانڈے شرک و بدعت میں ملوّث، وہمی خرافاتی رسوم و رواج سے مل جاتے ہیں اور جس کے سوانگ رچانے والے گمراہ بہروپیے عوامی جہالت اور ضعفِ ایمان سے فائدہ اٹھا کر اسلام دشمن طاقتوں کے آلۂ کار بن جاتے ہیں اور دین و ایمان اور ملک و ملت کو شعوری یا غیر شعوری طور پر نقصان پہنچاتے ہیں۔ ورنہ شمالی افریقہ میں تو اسلامی تصوف کے ایسے مجاہد اور داعی صوفیاء کی کمی نہ تھی جنھوں نے سامراجی دور میں بیرونی دشمنوں کے خلاف مزاحمت کو زندہ رکھا اور اسلام و مسلمانوں کی حفاظت کی۔ خود جزائر کے سیاق میں امیر عبدالقادر جزائری (۱۲۲۲ھ - ۱۳۰۰ھ/۱۸۰۷ - ۱۸۸۳ء) کا نام ناقابل فراموش ہے جنہوں نے اپنے قادری طریقہ کے رفقاء کے ساتھ پندرہ سال تک فرانسیسی حملہ آوروں کے دانت کھٹے کر رکھے تھے یہاں تک کہ مغرب اقصیٰ کے سلطان عبدالرحمٰن بن ہشام نے دشمنوں سے مصالحت کرلی تو ان کی جماعت کمزور پڑ گئی اور ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۷ء میں وہ جلا وطن ہوئے، پھر ۸۸ - ۱۲۸۷ھ/۷۱ - ۱۸۷۰ء کی بغاوتوں میں رحمانی طریقہ کے صوفیاء پیش پیش تھے، خود ابن بادیس کی جدوجہد میں دونوں طریقوں کے صوفیاء شانہ بشانہ ان کے ساتھ تھے

---

[۱] حوالہ بالا ص ۱۳۹ بحوالہ محمود قاسم، امام عبدالحمید بن بادیس ص ۱۲۶

اوران کو اعتراف تھا:

"جزائر کے اندر اسلامی تہذیب و تمدن اور عربی زبان وادب کے تحفظ میں صوفیاء کا بہت بڑا ہاتھ تھا خاص طور سے اس وقت جبکہ عربی زبان اور اسلامی تہذیب کو شہروں کی عملی زندگی سے دیس نکالا دیدیا گیا تو سنگلاخ پہاڑوں، سنسان جنگلوں اور بے آب وگیاہ ریگستانوں میں انھوں نے اس کو زندہ رکھا۔"[1]

اصلاحی پہلو

اب معاشرتی اصلاح کے ان گوشوں کا تذکرہ کیا جائے گا جن میں عبدالحمید بن بادیس کی خدمات نمایاں ہیں۔

۱۔ تعلیم وتربیت:

ذہنی اصلاح کسی معاشرہ کی کامیاب اصلاح کے لیے قدرتی تمہید ثابت ہوتی ہے، اس کے لیے ابن بادیس نے تعلیم وتربیت کے امور کی طرف زیادہ توجہ کی۔ ان کے نزدیک عوام سے پہلے خواص کی اصلاح ضروری تھی، لکھتے ہیں:

عام مسلمانوں کی اصلاح اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ علماء اپنی اصلاح نہ کرلیں۔ علماء کی مثال امت کے دل سے دی جاتی ہے، جب دل درست ہوتا ہے تو پورا جسم تندرست ہوتا ہے اور جب دل فساد کا شکار ہو جاتا ہے تو سارا جسم بگاڑ پر آمادہ ہو جاتا ہے، اس لیے اگر ہم عوام کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو پہلے نظام تعلیم کو درست کرنا ہوگا۔[2]

نوخیز نسل ان کی توجہ کا اصل مرکز تھی تاکہ معاشرہ کو جمود سے حرکت پر آمادہ کرنے کے لیے مردانِ کار کی ایسی نسلیں تیار ہوں جو غاصب وظالم سامراج کی غلامی کی بیڑیوں کو کاٹ پھینکیں اور ملک وملت کو غیروں کے ظلم وستم سے آزاد کرائیں، تعلیم وتربیت

---

[1] حوالۂ بالا ص ۱۵۸ بحوالہ ترکی رابح، شیخ عبدالحمید بن بادیس ص ۱۰۱

[2] حوالۂ بالا ص ۱۴۲ بحوالہ الشہاب، ج ۱۱، ۱۹۳۸ء، ص ۳۴۴-۴۲۳

کے اس اہم کام کو انجام دینے کے لیے انھوں نے ساڑھے تین سو سے زیادہ مدارس قائم کیے جن میں ڈیڑھ لاکھ کے قریب ماہر علماء تیار ہوئے ان کے نصاب تعلیم میں:

- پیغام ربانی سے براہِ راست واقفیت کے لیے قرآن کریم اور اس کی تفسیر۔
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ اور شخصیت کی صحیح معرفت اور ان کے اقوال و اعمال کے علم کی اہمیت کے لیے مؤطا امام مالک۔
- عربی زبان و ادب اور اسلامی تہذیب و تمدن کی جانکاری کے لیے ان کے بنیادی مآخذ۔
- تاریخی سوجھ بوجھ کے لیے مقدمہ ابن خلدون وغیرہ داخل تھے۔

اس لیے کہ ان کا خیال تھا کہ متاعِ گمشدہ یا مطلوب ترقی کی بازیافت جزائری نوجوان نسل کی ذہنی و فکری اور نفسیاتی عرب اسلامی تشکیل پر موقوف ہے، اس کے بعد عوام کو سیاسی، وطنی اور سماجی تنظیموں میں منسلک کرنے کا مرحلہ آتا ہے تاکہ وہ وطن کے دفاع کے اہل بن سکیں اور فرانسیسی وجود کی برقراری کی ناگزیر ضرورت کے دعویداروں کے برخلاف عرب اسلامی تہذیب کے دائرہ میں رہتے ہوئے جزائر کو سامراجی شکنجہ سے آزاد کرا سکیں۔ ان صفات کے حامل افراد کی تشکیل میں ابن بادیس کے نزدیک قرآن کریم مؤثر رول ادا کرسکتا ہے۔ قرآنی تربیت کے ذریعہ ان کو ایسی نسل کی تربیت کا یقین تھا جیسی اسلام کے اولین زریں زمانہ میں تیار ہوئی تھی، انھوں نے لکھا ہے:

> بحمد اللہ ہم اپنے تلامذہ کی پہلے دن سے قرآن کے ذریعہ تربیت کر رہے ہیں، اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ قرآن ان کی ایسی تشکیل کرے جیسی ان کے پیشرؤوں کی تشکیل کی تھی، اس لیے کہ قرآنی تربیت کے حامل ان افراد سے ہی امت کی امیدیں وابستہ ہیں، ایسے ہی اشخاص کی تشکیل ہماری اور امت کی آرزوؤں کا سنگم ہے۔[1]

اس رہنما نسل کی تربیت کے طریقہ کی مزید وضاحت ابن بادیس کے مجاہد ساتھی محمد بشیر ابراہیم نے ان الفاظ میں کی ہے:

---

[1] ترکی رابح عمارۃ، العالم الاسلامی ص ۱۲، بحوالہ الشہاب، ص ۴۴

۱۹۱۳ء کی مدینہ منورہ کی ملاقات میں نئی نسل کی تربیت کے اس
طریقہ پر میرے اور ابن بادیس کے درمیان اتفاق ہوا تھا کہ خواہ ہم اس
نسل کے علم میں بہت زیادہ توسّع کی فکر نہ کریں لیکن یہ ضروری ہے کہ ہم
اس کی صحیح خیالات پر تربیت کریں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارا یہ تجربہ ہمارے
طلباء کی اس فوج کے ذریعہ پورا ہوا جو ہم نے تیار کی! [1]

مذکورہ صفات کے حامل طلباء کے علاوہ عوامی ذہنی تربیت کے لیے ایک زیادہ مفید سلسلہ دور دراز کے شہری اور دیہاتی علاقوں میں واعظین اور مبلغین کو بھیجنے کا تھا جو صحیح اسلامی خطوط پر عوامی بیداری کا کام مؤثر طریقہ پر انجام دیتے تھے اس لیے کہ ابن بادیس کے خیال میں :

پختہ اور مکمل تربیت ہی صحیح عقیدے اور بلند اخلاق کی ضامن ہے۔
جزائری سوسائٹی کو فرانسیسی سامراج نے جس قعرِ مذلّت میں گرا دیا ہے
اس کو تربیت کے ذریعہ ہی دوبارہ زندہ کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ ہم تمام
اسلامی ممالک میں دیکھتے ہیں کہ مسلم معاشرہ کے اندر حرارت و زندگی اور
اسلامی روایات و تعلیمات سے تعلق و لگاؤ تربیت ہی کے ذریعہ پیدا ہوا ہے [2]

ان وضاحتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن بادیس اور ان کے ساتھیوں کا مقصد عام و خاص اصلاحی و تربیتی مہم سے یہ تھا کہ صحیح عقیدہ، روشن تفکیر اور حقیقی وطن دوستی کے جذبات سے معمور ایسی نسلیں تیار ہو جائیں جو جزائر کی افسردہ اور منفی صورتِ حال کو یکسر بدل ڈالیں، اور اس کا راستہ ان کے نزدیک یہی تھا کہ جزائری مسلم ذہنیت کو جہالت، خرافات اور جمود سے آزاد کیا جائے۔ آخر میں ابن بادیس کی تعلیمی تحریک کے بارے میں ان کے عمر بھر کے ساتھی محمد بشیر ابراہیمی کی معتبر رائے بھی سن لینے کے قابل ہے، لکھتے ہیں :

جزائر کے اندر حرکت و بیداری کی شروعات تعلیم کے ذریعہ ہوئی اس

---

[1] حوالۂ بالا ص ۱۲

[2] محمد سمیع اختر، انقلابی شخصیات، ص ۱۴۱-۱۴۲ بحوالہ ترکی رابح، شیخ عبدالحمید بن بادیس، ص ۲۴، ۲۵

سلسلہ میں شیخ عبدالحمید بن بادیس کی کوششیں لائقِ صد تعریف ہیں۔ انھوں نے مفید و نفع بخش تعلیم کو فروغ دینے میں پورے پچیس سال صرف کیے۔ ان کے قائم کردہ مدارس سے ایک پوری نسل فارغ التحصیل ہو کر نکلی، وہی موجودہ بیداری کی سرخیل ہے اور زندگی کے مختلف شعبوں میں قوم کی قیادت کا فریضہ انجام دے سکتی ہے![1]

۲۔ عقائدی اصلاح:

ذہنی اصلاح کے ساتھ عقائد کی اصلاح بھی ابن بادیس کے تربیتی پروگرام کا اہم ترین رکن تھا اس لیے ان کی سرکردگی میں جزائری اصلاحی مکتب فکر نے خرافاتی رسوم و رواج اور بدعتوں کا جم کر مقابلہ کیا جن کی وجہ سے جزائری عوام ضعفِ عقیدہ کا شکار ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنی اصلاحی تربیتی مہم میں علانیہ اور مخفی مشرکانہ مظاہر کی مخالفت کرکے مسلمانوں کو صحیح اسلامی عقائد سے دوبارہ روشناس کرایا۔ قرآن و سنت کی روشنی میں تصحیح عقائد کی شدید ضرورت پر اظہار خیال کرتے ہوئے انھوں نے لکھا:

> قرآن کریم میں پوری وضاحت کے ساتھ سہل انداز میں عقائد سے متعلق احکام اور ان کے دلائل کو کھول کر بیان کر دیا گیا ہے، باقی احکام و اصولوں کی تفصیل سنت نبوی میں موجود ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو بھیجا ہی اس لیے گیا تھا کہ وہ قرآنی آیات کو لوگوں کے سامنے کھول کر رکھ دیں۔ اب اہل علم حضرات کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قرآن و سنت کی روشنی میں عوام کے اسلامی عقائد کو درست کریں۔[2]

ان کی زیرِ صدارت قائم شدہ جمعیۃ العلماء کے دستور میں درج تھا:

> قرآن اسلام کی کتاب ہے اور صحیح قولی و عملی احادیثِ نبوی اس کی تفسیر و تفصیل ہیں، سلف صالحین صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل اسلام کی صحیح ترجمانی ہے، کتاب و سنت کی روشنی میں اسلامی

---

[1] حوالۂ بالا ص۱۲۶ بحوالہ البصائر، شمارہ ۷، ستمبر ۱۹۴۷ء۔

[2] حوالۂ بالا ص۱۴۰　　　　بحوالہ تفسیر ابن بادیس ص۹۶-۴۲۶

تعلیمات کی جو تفصیل و تشریح انھوں نے پیش کی وہ حقیقت سے قریب ہے۔
عبادت یا قربت حاصل کرنے کا ہر وہ فعل جس کا ثبوت حدیث نبوی میں نہیں ملتا بدعت ہے۔
توحید دین کی بنیاد ہے اور ہر طرح کا شرک خواہ عقیدہ میں ہو یا قول و عمل میں باطل ہے، آخرت میں سرخروئی کا ذریعہ صرف وہی اعمال بن سکتے ہیں جو خالصتًا توحید پر مبنی ہوں[1]

۲۔ اخلاقی اصلاح:

عقیدہ و ذہنیت کے بگاڑ کا منفی اثر قومی و انفرادی اخلاق و عادات پر پڑنا لازمی ہے۔ بقول ایک عرب شاعر: اقوام و ملل کا وقار و اعتبار اخلاق ہی کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے، اخلاق اچھے ہوں تو قومیں اٹھتی ہیں اور اخلاق بگڑیں تو وہ زوال پذیر ہوتی ہیں۔ ابن بادیس کے نزدیک اخلاق کا سرچشمہ نفسِ انسانی ہے اس لیے سب سے پہلے اس کی اصلاح ہونا چاہیے اور اس کا ذریعہ عقیدہ کی اصلاح کے بعد تزکیۂ نفس اور دل کی پاکی ہے تاکہ انسان پہلے اپنے نفس کی برائی اور گراوٹ کو بدلنے پر قادر ہو جیسے کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنے نفوس میں تغیر نہ کریں (رعد ۱۱) انھوں نے لکھا ہے:

دل یعنی نفس کی اصلاح صحیح عقائد اور بلند اخلاق ہی کے ذریعہ ممکن ہے اور یہ دونوں چیزیں علم کی پائیداری اور نیت کی درستگی سے حاصل ہوتی ہیں، جب دل کی اصلاح ہو جائے گی تو پورا جسم ازخود صحیح ہو جائے گا اور تمام اعضاء و جوارح اپنی اپنی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دینے لگیں گے، لیکن اگر نفس عقیدہ و نیت اور علم و اخلاق کے اعتبار سے درست نہ ہوا تو پورا جسم فاسد ہو جائے گا اور اعضاء و جوارح غلط کام انجام دیں گے۔

نفس کی اصلاح درحقیقت فرد کی اصلاح ہے اور فرد کی اصلاح

[1] حوالۂ بالا ص ۱۴۱

معاشرہ کی اصلاح ہے۔

> اگر غور سے دیکھا جائے تو تمام شرعی احکام بالواسطہ اپنی پوری توجہ اصلاح نفس پر مرکوز کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حق وصداقت، عدل و انصاف، خیر و احسان وغیرہ جتنی چیزوں کا حکم دیا ہے ان سب کا مقصود نفس کی اصلاح ہے، اسی طرح ظلم و زیادتی، شر و فساد، کذب و بہتان وغیرہ جتنی چیزوں سے روکا ہے وہ سب نفس کو فساد و بگاڑ کی طرف لے جانے والی ہیں[۱]

ان کی رائے میں نفس کی طرف سے غفلت شر و فساد کو دعوت دینا ہے:

> جب انسان اپنے نفس کی طرف سے مطمئن ہو جاتا ہے، اس کو برائی سے دور رکھنے کی کوشش نہیں کرتا، فضائل اخلاق سے لاپرواہ ہو جاتا ہے اور ان کے حصول کی کوشش نہیں کرتا تو بالآخر ایک ایسا مرحلہ آتا ہے کہ وہ سراپا شر بن جاتا ہے اور ہر خیر سے دور ہو جاتا ہے[۲]

نفس کی اصلاح ان کے نزدیک فرد و معاشرہ کی اصلاح کی ضامن ہے۔

> نفس کی اصلاح فرد کی اصلاح ہے اور فرد کی اصلاح معاشرہ کی اصلاح، یہی وجہ ہے کہ شریعت کی بالواسطہ اور بلاواسطہ پوری توجہ اصلاح نفس پر مرکوز ہوتی ہے[۳]

اس اصلاح کے لیے سب سے پہلے وہ اپنی ذات کو مخاطب کرنے پر زور دیتے ہیں۔

> اسلامی شریعت سے ہم جتنا کچھ بھی سیکھ سکتے ہیں پہلے تو خود اس پر عمل کریں پھر جہاں تک ممکن ہو اپنے معاشرہ کے دیگر افراد تک اس کو پہنچانے کی کوشش کریں، ان تمام معاملات میں ہمارے لیے مکمل اسوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ سیرت میں موجود ہے[۴]

۱۔ حوالۂ بالا ص ۱۳۹-۱۴۰ بحوالہ تفسیر ابن بادیس، ص ۱۳۶

۲۔ حوالۂ بالا ص ۱۴۷ بحوالہ تفسیر ابن بادیس، ص ۱۴۱

۳۔ حوالۂ بالا ص ۱۴۶-۱۴۷ بحوالہ تفسیر ابن بادیس ص ۹۶

۴۔ حوالۂ بالا ص ۱۴۳ بحوالہ الشہاب، ۷/۱۵، اگست ۱۹۲۸ء ص ۳۴۴
۲۸ء

پھر والدین کو اپنی اولاد کی خبرگیری کی تلقین کرتے ہیں:

> اپنے لڑکے اور لڑکیوں کی تربیت کرنے والے والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ شرعی حقائق اور اسلامی تعلیمات سے ان کو آگاہ کریں تاکہ وہ زندگی کے عملی میدان میں ان اسلامی روایات و تعلیمات کو عملاً نافذ کر سکیں[1]۔

اس کے بعد قریبی رشتہ داروں کا مرحلہ آتا ہے:

> ایک مسلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عقیدہ کو انحراف اور اخلاق کو بگاڑ سے پاک رکھے۔ اصلاح کی شروعات اپنے نفس پھر قریبی رشتہ داروں سے کرے۔ جس نے اس نظریہ کو اختیار کیا اور اس کی تکمیل کے لیے اپنی تمام تر کوششوں اور صلاحیتوں کو استعمال کیا تو اس بات کا قوی امکان ہے کہ وہ اپنے مقصد کو حاصل کر لے گا یا کم از کم اس کے قریب تو ضرور ہی پہنچ جائے گا[2]۔

ان کو امید تھی کہ اس ترتیب سے پوری امت میں خیر کا بول بالا ہوگا۔

> انسان کو ارشاد و تبلیغ کا کام اپنے سب سے زیادہ قریبی رشتہ داروں سے کرنا چاہیے، پھر تدریجاً جوان کے بعد قریب ہوں۔ اگر ہم میں کا ہر شخص اپنے اہل و عیال اور قریبی رشتہ داروں کی ہدایت و رہنمائی کی ذمہ داری لے لے تو بہت جلد پورے معاشرہ میں خیر و معروف کا بول بالا ہو جائے گا اس لیے کہ مختلف خاندان مل کر ہی تو ایک مستحکم امت کو وجود بخشتے ہیں[3]۔

جزائری معاشرہ کی اصلاح سے وہ عالم اسلام کی بھلائی کی توقع بھی لگائے ہوئے تھے۔

> اس وطنِ خاص کے علاوہ ہمارے دیگر ممالک بھی ہم کو عزیز ہیں جن کی فکر

---

[1] حوالہ بالا ص ۱۴۳ بحوالہ الشہاب، جلد ۱۴، مارچ ۱۹۳۸ء ص ۸۰۵

[2] حوالہ بالا ص ۱۴۶ بحوالہ تفسیر ابن بادیس، ص ۱۶۴

[3] حوالہ بالا ص ۱۴۷ بحوالہ تفسیر ابن بادیس ص ۳۷۶

ہم کو ہمیشہ دامن گیر رہتی ہے، ہم اپنے وطن کے لیے جو کچھ کرتے ہیں اس میں یہ نیت بھی شامل رہتی ہے کہ ہم ان برادر ممالک کی خیر وبھلائی کے لیے بھی سامان فراہم کر رہے ہیں جو زبان وادب اخلاق وعادات تہذیب وتمدن اور تاریخ ہر اعتبار سے ہمارے بھائی ہیں، ان میں ہم سے سب سے زیادہ قریب مغرب اقصیٰ، مغرب ادنیٰ اور مغرب وسطیٰ کے ممالک ہیں۔ یہ سب عرب اور اسلام دوست ملک ہیں، پھر سب سے زیادہ مستحکم ومضبوط رابطہ تو انسانیت کا رشتہ ہے۔[1]

اصلاحِ نفس کے دشوار ترین کام میں ابن بادیس کی یہ رائے بھی بہت اہم ہے کہ انسان کے ظاہری اعمال اس کے باطن کے غماز ہیں، اگر اس کا باطن پاک صاف ہوگا تو اس کے ظاہری اعمال بھی صاف ستھرے ہوں گے، اس کے برعکس یہ نہیں ہوسکتا کہ باطن ناپاک ہو اور ظاہر بہتر ہو یا باطن پاک ہو اور ظاہری اعمال ابتر ہوں۔ اسی لیے انھوں نے دینی ومعاشرتی تربیت کی مہم میں پورا زور جزائریوں کے نفس کے تزکیہ اور ضمیر کی اصلاح پر دیا تاکہ سب سے پہلے عقائد واخلاق کے اعتبار سے ان کی شخصیت مکمل ہو، ان کی ایک تحریر ہے:

اپنی اور دوسروں کی تربیت میں ہماری سب سے زیادہ توجہ عقائد کی تصحیح اور اخلاق وعادات کی بہتری پر ہے، نیز ہمارے نزدیک انسان کا باطن اس کے ظاہری اعمال کی بنیاد ہے، بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انسانی جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے، جب وہ درست ہوتا ہے تو پورا جسم سنبھل جاتا ہے، اور جب وہ بگڑتا ہے تو سارا بدن ڈگمگا جاتا ہے، خوب سمجھ لو کہ وہ دل ہے![2]

اس لیے ابن بادیس کا خیال تھا کہ خاندان، مدرسہ اور معاشرہ میں بہتر اخلاقی تربیت ہی نوجوان مرد وعورت دونوں کے لیے اخلاقی بے راہ روی اور وطنی خیانت

---

[1] حوالہ بالا ص ۱۴۷-۱۴۸ بحوالہ صلاح الدین جورشی، تجربۃ فی الاصلاح، ص ۲۲-۲۳

[2] ترکی رابح عمارۃ، العالم الاسلامی، ص ۱۲ ۴۳۰

دونوں سے بچانے والا Safety valve ہے۔ جو شخص خدا کی رضا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے لیے اپنی خواہشاتِ نفس پر لگام نہیں لگا سکتا اس پر امت اور وطن کی مصلحتوں کا لحاظ رکھنے کا بھی اطمینان نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جزائر میں عرب اسلامی میراث کی حفاظت اور وہاں کے نوجوانوں میں اس کی نشر و اشاعت کے لیے ہمہ وقت سرگرم عمل رہتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ میراث ہی جزائری شخصیت کو گراوٹ سے بچا سکتی تھی۔ مغرب زدہ نوجوانوں کی افہام و تفہیم کے لیے انھوں نے لکھا ہے:

> مغرب کے پاس جو اچھی چیزیں ہیں وہ سب کی سب ہمارے دین اور تاریخ میں موجود ہیں۔ ہماری ہی چیزوں کو لے کر مغرب نے ترقی کے منازل طے کیے ہیں۔ ان کے اندر جو برائیاں ہیں وہ حقیقتاً بری ہیں۔ وہ ان کے لیے بھی نقصان دہ ہیں اور ہمارے لیے بھی۔ ان کا اختیار کرنا ان کے لیے بھی کسی طرح مناسب نہیں ہے، وہ جس طرح ان کے لیے باعث فتنہ ہیں ہمارے لیے بھی ابتلا و آزمائش کا سبب ہیں[1]

اسی طبقہ کی فرانسیسی تہذیب کو قبول کرنے کی وکالت کے جواب میں تحریر کیا:

> بیرونی مدارس اور غیروں کی گود میں پلے ہوئے ہمارے بیشتر فرزند شاید بدنیتی کے بغیر ہماری تاریخ اور ہمارے مسلم تشکیلی عناصر کے منکر ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہم ان سب کو تیاگ کر غیروں میں گھل مل جائیں! جب جب بھی ان کے یہ خیالات سامنے آتے ہیں ہم ان کا جواب دیتے رہتے ہیں[2]

سامراجی نظام سے کھلی دشمنی اور مغربی تہذیب کے مکروہ مظاہر کی برملا مخالفت کے باوجود ابن بادیس ایک عملی روشن خیال رہنما کی حیثیت سے عصر جدید کی مفید ترقیوں سے فائدہ اٹھانے کے حق میں تھے!

> اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو وقت کا ساتھ دو، اپنے دور میں موجود زندگی

---

[1] محمد سمیع اختر، انقلابی شخصیات، ص ۱۴۴ بحوالہ محمود قاسم، امام عبدالحمید بن بادیس، ص ۴۵

[2] ترکی رابح عمارۃ، العالم الاسلامی، ص ۱۲

کے مختلف وسائل سے فائدہ اٹھاؤ معاشرہ کے طور طریق اور باہمی لین دین کے مفید اصولوں کو اپناؤ۔ فکر و عمل، فنی مہارت و تجربہ صنعت و کاشتکاری اور تہذیب و ترقی کے دیگر میدانوں میں زمانہ کے ساتھ چلو۔[۱]

۴۔ اصلاحِ نسواں:

سیاسی و سماجی میدان میں کام کرنے والے علماء اور مسلم رہنما اسلام میں عورت کے مقام و مرتبہ کے موضوع پر ایک طویل عرصہ سے ان کے سامراجی دشمنوں اور ان کے مقامی ہمنواؤں کی طرف سے مورد الزام رہے ہیں، ابن بادیس اور ان کے رفقاء کار بھی اس سلسلہ میں طنز و تعریض کا نشانہ بنتے رہے۔ حالانکہ انھوں نے اپنی سرگرمیوں کی ابتداء سے تعلیم و تربیت نسواں کو اس کا صحیح مقام عطا کیا اور ۱۹۳۱ء میں جمعیۃ العلماء کی تعلیمی کمیٹی نے تو صاحب حیثیت لڑکوں کے برخلاف لڑکیاں چاہے وہ باحیثیت ہوں یا بے حیثیت ان کی تعلیم کو بالکل مفت رکھا، اس لیے کہ ابن بادیس کے نزدیک:

> انسان کی کردار سازی کے لیے سب سے پہلا مؤثر ادارہ گھر ہوتا ہے اور ماں کے مذہبی رجحان سے ہی گھر کے اندر دینی اخلاقی ماحول پیدا ہوتا ہے۔ آج ہم جس طرح کی دینی و اخلاقی کمزوریوں کا مشاہدہ کرتے ہیں اس کی اصل وجہ افراد کی غیر اسلامی تربیت اور ماؤں کے اندر دینی رجحان کی کمی ہوتی ہے۔[۲]

عورتوں کی اسلامی تربیت ان کی رائے میں اس لیے ضروری تھی۔

> اگر جزائری عورت کو عجمی زبان کی تعلیم دی گئی اور اسے اپنے ملک کی تاریخ سے بے خبر رکھا گیا تو آنے والی نسل اپنے ماضی سے بالکل غافل ہوگی اور اس کے اندر سرے سے ملی و وطنی شعور پیدا ہی نہ ہوگا بچوں کے اندر ملی غیرت کا پہلا بیج ماں ہی کے ذریعہ ڈالا جا سکتا ہے۔ اگر مردیورپی

۱؎ محمد سمیع اختر، انقلابی شخصیات، ص ۱۴۴ بحوالہ الشہاب، شمارہ ۴۹، اگست ۱۹۲۶ء

۲؎ حوالہ بالا ص ۱۶۷ بحوالہ الشہاب، ۱۲/۸، نومبر ۱۹۳۵ء ص ۴۴۹-۵۳ ۴۴۲

تہذیب سے متاثر ہوں تو ان کے انحراف کو دور کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر ہماری مائیں سامراجی ثقافت کی گرویدہ ہو جائیں تو بچوں کے اندر ملی غیرت کسی طرح پیدا نہیں کی جا سکتی۔ ایسی صورت میں تو وہ ایسے فرزندوں کو پروان چڑھائیں گی جو اپنی ثقافت کو تو ناپسند کریں گے، مگر یورپی تہذیب کے دلدادہ ہوں گے۔[1]

ان کو یقین تھا:

ایک جاہل عورت جو امت کو باشعور اسلامی جذبہ رکھنے والے بچہ سے نوازے اس (مغربی) تعلیم یافتہ عورت سے کہیں بہتر ہے جو قوم کو ملی غیرت وحمیت سے خالی الذہن بچہ عطا کرے۔[2]

۵۔ جزائری مسلم جمعیۃ العلماء

مذکورہ بالا خیالات کی ترویج واشاعت اور ان کے مطابق ایک نئی جزائری عرب مسلم نسل کی تربیت عبدالحمید بن بادیس لگاتار اٹھارہ سال (۳۱-۱۹۱۳ء) تک تن من دھن سے کرتے رہے یہاں تک کہ ۱۹۳۰ء میں فرانس نے جزائر پر اپنے سو سالہ ناجائز سامراجی قبضہ کی خوشی میں عیسائی مذہبی روایات اور یورپی حیاسوز تہذیبی عادات کے مطابق راگ رنگ سے معمور جشن منانے کا اہتمام کیا جن سے مقامی مذہبی اکثریت کی اسلامیت، عربیت اور وطنیت پر چوٹ پڑتی تھی۔ دوسری طرف ابن بادیس اور ان کے رفقاء عرصہ سے جزائر میں ایک اجتماعی تنظیم کی ناگزیر ضرورت محسوس کرتے تھے۔ خود ابن بادیس نے اس بارے میں لکھا ہے:

مسلمان اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حق اسی صورت میں ادا کر سکتے ہیں جبکہ ان کے پاس طاقت ہو اور یہ طاقت اس وقت پیدا ہو سکتی ہے جبکہ ان کے پاس سوچنے سمجھنے والی ایک منظم جماعت ہو جو فکر و تدبر اور باہمی تعاون و مشورہ سے کام کرتی ہو اور

---

[1] حوالہ بالا ص ۱۶۸ بحوالہ محمد میلی، ابن بادیس وعروبۃ الجزائر، ص ۲۳-۲۴

[2] حوالہ بالا ص ۱۶۹

اتحاد و عزیمت سے مالا مال ہو، وہ بھلائیوں کو فروغ دے اور منکرات سے روکے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے اور اجتماعیت کی خیر و برکت سے متعلق احادیث بھی ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے تقاضوں کو پورا کرنے اور اس کے قلعہ کی حفاظت کے لیے اجتماعیت کس قدر ناگزیر ہے۔[1]

ایک اور موقع پر اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

آج جب ہم علم و سیاست کو ایک ساتھ لے کر چلنے کی بات کرتے ہیں تو بعض حضرات اس خدشہ کا اظہار کرتے ہیں کہ دونوں کو ایک دوسرے سے ملانا بہت مشکل کام ہے، اس لیے کہ عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ علما کا دائرہ کار علمی مباحث تک محدود ہے، سیاسی معاملات سے ان کا کوئی سروکار نہیں! جبکہ ہمارے لیے ناگزیر ہے کہ ہم علم و سیاست کو باہم جمع کریں کیونکہ علم و دین اس وقت تک مکمل طور پر فروغ نہیں پا سکتا جب تک کہ سیاسی شعور پوری طرح بیدار نہ ہو![2]

جزائری قوم کی اٹھارہ سالہ (۳۱-۱۹۱۳ء) علمی و دینی تربیت اور فرانس کے صد سالہ مذکورہ جشنوں نے آخر کار یہ موقع فراہم کیا کہ وہ اپنے خواب کی تعبیر ۵ مئی ۱۹۳۱ء کو جزائری مسلم جمعیۃ العلماء کے قیام سے پوری کریں لیکن حالات کی نزاکت اب بھی اس بات کی روادار نہ تھی کہ یہ جماعت دین و سیاست کو ملانے کا دعوی کر سکے، لہٰذا اس کے دستور کے مطابق وہ صرف:

ایک دینی، اصلاحی اور تربیتی تنظیم تھی جس کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔[3]

غالباً اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے انور الجندی نے لکھا ہے:

---

[1] حوالۂ بالا ص ۱۴۱-۱۴۲ بحوالہ تفسیر ابن بادیس، ۴۲۸-۴۲۹

[2] حوالۂ بالا ص ۱۵۲ بحوالہ البصائر، شمارہ ۷۱، ۱۸ جون ۱۹۳۷ء

[3] حوالۂ بالا ص ۱۵۲

> جزائر میں فرانسیسی سامراج کے تقریباً سو سال کے بعد ابن بادیس کھڑے ہوئے، آپ نے اس سے مقابلہ کرنے کے لیے کافی غور و خوض کے بعد ایک منصوبہ تیار کیا، آپ نے فوجی معرکہ آرائی کا طریقہ اختیار نہیں کیا، حقیقت بھی یہی ہے کہ جزائری عوام فوجی طریقہ کو اختیار کرنے کی صورت میں فرانسیسی فوج اور ان کے جدید اسلحہ کے سامنے کسی قیمت پر ٹک نہیں سکتے تھے۔ فرانسیسیوں سے جہاد کا سب سے مؤثر طریقہ قوم کی اجتماعی و روحانی تربیت ہی تھا جیسا کہ ابن بادیس نے سمجھا۔[1]

حیرت یہ ہے کہ خود ابن بادیس نے اس جماعت کی دس سالہ کارکردگی کا جائزہ لیتے ہوئے اس کے اسی ظاہری رخ پر زور دیا ہے:

> امّت اسلامی میں کہیں ایسی علمی تنظیم قائم نہ ہوئی جس نے اہل بدعت کی پھیلائی ہوئی بدعتوں کا، ان کو دینی و دنیوی اقتدار کی حاصل سرپرستی کی پرواہ کئے بغیر، ایسا جم کر مقابلہ کیا ہو جیسا کہ جزائری مسلمانوں کی جمعیۃ العلماءؑ نے کیا۔ اس کے آزاد و خود مختار علماء جو کسی کی وظیفہ خواری پر نہیں جیتے تھے انھوں نے دس سال سے کچھ زیادہ مدت سے اس اصلاحی مہم کا بیڑہ اٹھایا، اس کی کامیابی کے لیے صرف اللہ کے واسطے جہاد کیا، صبر کا دامن نہ چھوڑا اور جزائری مسلم جمعیۃ العلماء جیسی دینی تنظیم قائم کی یہاں تک کہ اللہ کے فضل و احسان سے یہ اصلاحی تحریک مضبوط بنیادوں پر مستحکم عمارت کی شکل میں قائم ہو گئی جس کی گھنی سایہ دار شاخیں اور پھل پھول نہ صرف جزائر بلکہ پورے شمالی افریقہ پر سایہ فگن ہیں۔[2]

حالانکہ حکمت و مصلحت پر مبنی اس دینی "غیر سیاسی" جماعت کے اغراض و مقاصد اور مطالبات سے اس کی سیاسی نوعیت پوری طرح نمایاں تھی جیسا کہ اس کے نائب صدر اور اس کے ترجمان جریدۃ البصائر کے ایڈیٹر محمد البشیر ابراہیمی کے مقالہ جمعیۃ العلماء

---

[1] حوالۂ بالا ص۱۲۴ بحوالہ انور الجندی، الفکر والثقافۃ المعاصرۃ فی شمال افریقیا، ص۵۴

[2] ترکی رابح عمارۃ، العالم الاسلامی، ص۱۲

وموقفها مع السیاسة والساسة (سیاست وسیاست دانوں سے متعلق جمعیۃ العلماء کا نقطۂ نظر) کے لب ولہجہ سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ اس میں انھوں نے لکھا ہے:

اے استعماری حکمرانو!

جمعیۃ العلماء ایک اسلامی تنظیم ہے جو اسلام کے فروغ کے لیے کام کرے گی۔ لوگوں کے عقائد کو درست کرنا، ان کو اسلامی حقائق سے واقف کرانا، اسلامی تہذیب وثقافت کو زندہ کرنا ہی اس کا اصل کام ہے۔

یہ تحریک تم سے مطالبہ کرتی ہے:

مساجد واوقاف کو مسلمانوں کے سپرد کیا جائے۔ (جزائر پر تسلط کے بعد فرانس نے قدرتی معدنی وسائل کے ساتھ اسلامی اوقاف پر بھی قبضہ کرلیا تھا)

مسلمانوں کے مسائل کو فوری طور پر حل کیا جائے۔

یہ تحریک تمہاری اسلام دشمن سرگرمیوں (مساجد کو بند کرنا اور وعظ و تقریر پر پابندی) کو کھلے لفظوں میں صریح ظلم سے تعبیر کرتی ہے۔

وہ تم سے عربی تعلیم وتربیت کی آزادی کا مطالبہ کرتی ہے۔

وہ جزائری تشخص کا دفاع چاہتی ہے جو عربیت اور اسلام میں مضمر ہے۔

وہ عربی زبان وادب اور تاریخ وتمدن کو فروغ دے گی تاکہ عربوں کے درمیان اتحاد وتعاون کی فضا قائم ہو۔

وہ دینی ودنیوی دونوں ہی معاملات میں تمام مسلمانوں کے درمیان اتحاد ویکسانیت پیدا کرنا چاہتی ہے۔

وہ تمام مسلمانوں کے درمیان اخوت ومحبت کی فضا کو پروان چڑھانا چاہتی ہے۔

وہ تمام مسلمانوں تک دینی حقائق، انبیاء وصحابہ کی سیرت اور سلف صالحین کی تاریخ کو پہنچانا چاہتی ہے۔

وہ عربوں کے درمیان عربیت کی بنیاد پر تعلقات کو مضبوط کرنا چاہتی ہے تاکہ عربی زبان وادب کی بہتر خدمت کرسکے۔ [1]

---

[1] محمد سمیع اختر، انقلابی شخصیات ص ۱۲۶-۱۲۷ بحوالہ البصائر، جلد سوم، ۱۹۴۷ء ۳۶۰ء

فرانسیسی حکمراں اور ان کے معاون و مددگار اہل قلم وصحافی بھی اس "پردے کی ٹٹی" کو خوب جانتے تھے، اسی لیے ایک مراسلہ نگار نے اخبار کونکورڈ میں یہ سوال قائم کیا تھا:

> کیا جمعیۃ العلماء کو ایک مذہبی جماعت کہنا درست ہے؟ یہ کوئی انوکھی بات نہیں کہ اس کے بارے میں کسی کو شک ہو! کیونکہ براہِ راست اس کے طرز عمل سے مذہبی رنگ کی جھلک نہیں ملتی! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید علماء اپنے مذہبی خیالات کو اپنے دل کے اندر پوشیدہ رکھتے ہیں اور ان کا اظہار نہیں کرتے![1]

اور دوسرے مصنف نے لکھا تھا:

> جزائری وطن کے خیال کو فروغ دینے میں زیادہ ہاتھ ان علماء کا تھا جنھوں نے جمعیۃ العلماء کو تشکیل دیا، ان میں شیخ عبدالحمید بن بادیس اور ان کے جاں نثار رفقاء شیخ ابراہیمی اور قصبی وغیرہ سب سے آگے آگے تھے۔[2]

بہر حال جمعیۃ العلماء کے مذکورہ علانیہ وخفیہ مقاصد اس کے رہنماؤں کے سابق ولاحق طرز عمل سے پوری طرح میل کھاتے تھے، ان کے بارے میں سب کو معلوم تھا کہ وہ:

- دینی امور میں قرآن وحدیث اور صحابہ وتابعین کی پیروی اور بدعتوں کی مخالفت کے داعی تھے اور
- قومی امور میں سامراج کے خلاف اور اس کے جزائر کو فرانس کا حتمی حصہ بنانے اور مقامی آبادی کو لازمی طور پر فرانسیسی شہریت کے اختیار کرنے وغیرہ پالیسیوں کی شدید مزاحمت کے قائل تھے۔

ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے جمعیتِ علماء نے عوامی تربیت کی وطنی تنظیمیں قائم کیں تاکہ جزائر کی آزادی کے لیے عوام سامراج کی راہ میں سنگ گراں بن جائیں اور جزائر کو بڑے عرب خاندان میں شامل کرکے دم لیں جس کو فرانس نے ایک طویل عرصہ تک عربوں سے الگ رکھنے کی ان تھک ظالمانہ تگ ودو کی تھی۔ ان رہنماؤں کے پاس مذکورہ دونوں

---

[1] حوالۂ بالا ص۱۵۵ بحوالہ JEAN LACOUTURE، خستہ رجال، ص۲۷۵

[2] حوالۂ بالا ص۱۵۵ بحوالہ بالا ص۲۷۵

مقاصد کے حصول کے لیے کُند نہ ہونے والا ہتھیار عربی زبان اور اسلامی تہذیب کی ترویج واشاعت تھا تاکہ جزائری شخصیت کا فرانسیسی تشخص سے امتیاز برقرار رہے۔ ابن بادیس نے ایک طویل مقالہ الجنسیۃ القومیۃ والجنسیۃ السیاسیۃ (قومی شہریت اور سیاسی شہریت) کے آخر میں لکھا ہے۔

جزائری امت میں ہماری قومی شہریت کے تشکیلی امتیازی عناصر موجود ہیں! زمانہ کے حالات وتجربات نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ ہم اس قومی شہریت کی پوری طرح حفاظت کرسکتے ہیں! ہم میں زمانہ گذرنے کے ساتھ اس کی حفاظت کی مزید قوت آچکی ہے! اب ہم کو کسی غیر شہریت میں ضم کرنا یا مٹانا تو درکنار ہم کو کمزور کرنا بھی محال ہے![1]

سامراجیوں اور ان کی ہمنوا مقامی سیاسی پارٹیوں کے برخلاف ابن بادیس صرف روٹی، روزی، مکان کے پرفریب نعروں میں الجھنے والے نہ تھے، ان کو اپنے ملک میں باعزت زندگی گذارنے کا حق چاہیے تھا:

حکمراں طبقہ ہماری ایک خصوصیت کو بھول گیا۔ انھوں نے ہماری غربت اور فاقہ مستی کو دیکھتے ہوئے یہ تصور قائم کرلیا کہ ہم ایسے لوگ ہیں جو روٹی کے سوا کچھ اور نہیں چاہتے، ہمارے لیے روٹی ہی سب کچھ ہے، جب ہمارے پیٹ بھر جائیں گے تو ہم ان کے غلام ہوجائیں گے، وہ لوگ جب ہمارے سامنے روٹی کا ٹکڑا ڈال دیں گے تو ہم ان کی ہر خواہش پوری کرنے کے لیے تیار ہوجائیں گے۔ یہ ان کی خام خیالی تھی کہ انھوں نے یہ سمجھا! ہم نے ان سے جب بھی گفتگو کی کوشش کی تو انھوں نے ہمیں غربت اور روٹی کے مسائل میں الجھانے کی سعی رائیگاں کی۔

اے سامراجیو! ہم مردہ نہیں ہیں، زندہ ہیں، زندگی چاہتے ہیں اور اس کو حاصل کرنا ہمارا مقصد ہے! زندگی صرف روٹی حاصل کرنے کا نام نہیں! تمھیں ہمارے علمی ومعاشرتی اور سیاسی ومعاشی مطالبوں کی

---

[1] ترکی رابح عمارۃ، العالم الاسلامی، ص۱۲ بحوالہ الشہاب، ۱۹۳۷ء، ۴۳۸

ذرا بھی خبر نہیں جو ہماری ضروریات زندگی میں شامل ہیں۔[1]

اور یہ باعزت زندگی ان کو صرف مکمل آزادی سے مل سکتی تھی جو کسی انقلاب ہی کے ذریعہ متوقع تھی، لکھتے ہیں :

> آزادی دنیا کی تمام قوموں کا فطری اور پیدائشی حق ہے! وہ اقوام جو ہم سے قوت وطاقت، شان وشوکت، علم وفن، تہذیب وتمدن غرضکہ ہر میدان میں کم تھیں کب کی آزاد ہو چکیں! ہم وہ لوگ تو نہیں ہیں کہ اللہ کے ساتھ غیب دانی کا دعویٰ کریں لیکن سامراجیوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ جزائر کی موجودہ صورت حال ہمیشہ برقرار رہے گی! ماضی میں جزائر کے اندر مختلف انقلاب آچکے ہیں اور پھر ممکن ہے کہ کوئی انقلاب بپا ہو اور جزائر سیاسی ومعاشی، علمی وادبی، تہذیبی وثقافتی ہر اعتبار سے ترقی کی اعلیٰ منزلوں کو چھو رہا ہو، سامراجی سیاست کا خاتمہ ہو جائے، جزائر مکمل طور سے آزاد ہو جائے اور فرانس کے ساتھ اس کے تعلقات کی نوعیت ایک آزاد ملک کی طرح ہو![2]

مرور ایام کے ساتھ ابن بادیس کی مہلت حیات کے دن اگرچہ ختم ہو رہے تھے لیکن ان کے ایمان ویقین کی صلابت، عزم وارادہ کی پختگی اور قوم کے نام ان کے بلند حوصلہ پیغامات کی گھن گرج دیکھنے سننے سے تعلق رکھتی تھی۔ ۱۹۳۸ء میں جب انھوں نے اپنی تفسیر قرآن کریم مکمل کی تو ان کے وطن قسطنطنیہ میں اس کی خوشی میں بڑے پیمانہ پر عوامی جشن منعقد ہوئے، ایسے ہی ایک موقع پر تقریر کے آخر میں انھوں نے جس عہد وفا کی تجدید کی تھی اس کی صدائے بازگشت اب بھی جزائر کے دشت ودمن میں سنائی دیتی ہوگی کہ آزادی کے تینتیس سال بعد آج بھی سامراجیوں کے ہاتھوں پیدا کی ہوئی خلیج پٹ نہ سکی اور اب ہم مذہب، ہم قوم، ہم زبان اور ہم وطن بھائیوں کے درمیان وحشیانہ وبہیمانہ معرکۂ جنگ وجدل پوری شدت کے ساتھ کس لیے اور کس کے لیے

---

[1] محمد سمیع اختر، انقلابی شخصیات، ص ۱۲۸ بحوالہ محمد طاہر فضلاء، قال الشیخ الرئیس، ص ۱۲۸

[2] حوالہ بالا ص ۱۵۴ بحوالہ الشہاب، ۳/۱۲، جون ۱۹۳۶ء ص ۱۲۵-۱۲۶ و ۴۲۹

جاری ہے؟ وہی اسلامی، صلیبی اور صیہونی طاقتوں کے درمیان عربی و یورپی تمدن، مشرقی ومغربی تہذیب اور جزائری و فرانسیسی مصلحتوں کی بالادستی کے لیے! إنا للہ وانا الیہ راجعون! بہرحال اس جاوداں پیغام کو آپ بھی سنیں اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق فائدہ اٹھائیں، ابن بادیس کے الفاظ یہ تھے:

میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ جیسے میں نے اپنی جوانی عربیت و اسلامیت اور اسلام و قرآن کی زبان کی خدمت میں گذاری اسی طرح میں اپنا بڑھاپا بھی ان کی خدمت میں لگا دوں گا اس لیے کہ یہ واجب ہے! میں اپنی ساری زندگی اسلام و قرآن اور ان کی زبان کے لیے وقف رکھوں گا، یہ میرا آپ سے وعدہ ہے!

آپ سے بھی میں صرف ایک چیز مانگتا ہوں:

وہ یہ کہ مرد تو اسلام و قرآن پر اور جان قربان کرو تو ان دونوں کی زبان پر![1]

ان کے اس عہد و پیمان پر زیادہ وقت نہ گذرا تھا کہ وہ اپنی مجبور و مقہور قوم کو حیاتِ نو کا پیغام دے کر صرف اکیاون سال کی عمر میں کینسر کے موذی مرض کے ہاتھوں حیاتِ فانی سے منہ موڑ کر حیاتِ جاودانی کے سفر پر ۱۶ راپریل ۱۹۴۰ء کو روانہ ہو گئے۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا!

وہ اس دنیا سے اس وقت روانہ ہوئے جبکہ صرف ستائیس سال (۱۳-۱۹۴۰ء) کی جدوجہد کے نتیجہ میں پوری جزائری مسلم قوم آزادی کے لیے جہاد کی راہ پر دیوانہ وار ان ہی کا ترانہ شعب الجزائر (جزائری قوم) گاتے ہوئے گامزن ہو چکی تھی جو اگرچہ ان کی وفات حسرت آیات کے سولہ سال بعد ۱۹۵۴ء میں باقاعدہ شروع ہوا اور آٹھ سال کی مدت میں لاکھوں شہیدوں کی قیمتی جانوں کا نذرانہ وصول کر کے ۱۹۶۲ء میں ختم ہوا۔ اسی لیے اس کا نام ثورۃ ملیون شہید (دس لاکھ شہداء کا انقلاب) پڑا۔ ان کا مذکورہ ترانہ یہ ہے:

شعب الجزائر

شعب الجزائر مسلم
والی العروبة ینتسب
من قال حاد عن اصله
او قال مات فقد كذب

---

[1] تحریک کی براہیم عمارۃ، العالم الاسلامی ص۱۲

او رام ادمــــاجـــا لــــه
رام المحـال مـــن الـــطـلـــب
يــــانــشء انـــت رجـــاؤنـــا
وبـك الـصـبـاح قـد اقـتـرب
خـذ لـلـحـيـاة سـلاحـهـا
وخـض الخطـوب ولا تـهـب
وارفـع مـنـار الـعـدل والاحـسـ
ـان واصـــدم مـــن غـــصـــب
واَذِق نـــفـــوس الـــظـــالمين
الـســم يمـزج بـالـلـهـب
واقــلـــع جـــذور الخائنيـــ
ـن فـمـنـهـم كـل الـعـطـب
واهـــزز نـــفـــوس الجامـــديـــن
فـــربمـــا حـــيّ الخشـــب
نحن الأُلـى عـرف الـزمـــ
ـن قـديمـنـا الجم الحسـب
ومـــعـــين ذالك الجد فـــي
نـســل الـعـروبـة مـا نـضـب
مـــن كـــان يـبـغـى ودّنـا
فـعـلـى الـكـرامـة والـرحـب
او كـــان يـبـغـى ذلّـنـا
فــلـــه المهـــانـــة والحرب
هـــذا نـــظـــام حـــيـــاتـــنـــا
بـالـنـور خـطّ وبـالـلـهـب
حـــتـــى يـعـود لـشـعـبـنـا
مـــن مـجـده مـا قـد ذهـب
هـــذا لـكـم عـهـدي بـه
حـــتـــى أوسّـد بـالـتـرب
فـاذا هـلـكـت فـصـيـحـتـي
تحـيـا الجزائـر والـعـرب

ترجمہ:

جزائری عوام مسلمان ہیں اور عربوں سے نسبی تعلق رکھتے ہیں!
جس نے یہ کہا کہ وہ من حیث القوم اپنی اصل سے بے بہرہ یا فنا ہوگئے تو وہ جھوٹ بولا!
یا جس نے ان کو اپنی قوم میں ضم کرنا چاہا تو اس نے محال بات کی خواہش کی!
اے نسل نو کے سپوتو! تم ہماری امیدوں کا مرکز ہو اور تمہاری قوتِ بازو سے

صبح روشن قریب آچکی ہے!
باعزت زندگی کے لیے ہتھیار اٹھاؤ اور میدان کارزار میں کود پڑو!
عدل و خیر خواہی کا پرچم بلند کرو اور غاصب سے ٹکرا جاؤ!
ظالموں کو آگ میں بھاتے ہوئے زہر کا مزہ چکھاؤ!
خائن دلالوں کی جڑیں اکھاڑ پھینکو کہ وہ ہر تباہی کے ذمہ دار ہیں!
جامدوں کو جھنجوڑ ڈالو کہ کبھی کبھی سوکھی لکڑی میں بھی زندگی کی رمق دوڑ جاتی ہے۔
ہم وہ قوم ہیں جس کے اعلیٰ حسب نسب کو زمانہ قدیم سے جانتا ہے۔
اور جس کے شرف کا سرچشمہ عرب نسل میں کبھی خشک نہیں ہوا۔
جس کو ہماری دوستی مطلوب ہو تو عزت و شرافت کی بنیاد پر مرحبا!
اور جو ہماری ذلت کا طالب ہو تو اس کے لیے ہمارے پاس توہین اور جنگ ہے!
آگ و روشنی سے لکھا ہوا یہ ہمارا نظام حیات ہے!
یہاں تک کہ ہماری قوم کی عزت رفتہ لوٹ آئے!
زمین میں دفن ہونے تک میرا تم سے یہی عہد و پیمان ہے!
جب میں قبر میں اتارا جاؤں گا تب بھی میرا یہی نعرہ ہوگا کہ عرب و جزائر زندہ باد!

اس زمانہ کے شعراء میں عربیت پر فخر اسلام کے مرادف تھا "عرب قومیت" سے نہ تھا جو درحقیقت غیروں کی دین تھی اور بہت بعد میں اس کا شور شرابا ہوا۔

ماحصل

افسوس کہ عالم عرب و اسلام کی دوسری اصلاحی تحریکوں کی طرح عبدالحمید بن بادیس کی وفات کے بائیس سال بعد جب ۱۹۶۲ء میں آٹھ سال کے باقاعدہ جہاد (۱۹۵۴-۱۹۶۲ء) کے نتیجہ میں جزائر سے بھی فرانسیسی سامراج کے چل چلاؤ کا وقت آیا تو آزادی کا پھل ان مقامی فوجی اور غیر فوجی ٹولیوں کے حصہ میں آیا جنھوں نے جنگ آزادی کے دوران اصلاحی تحریکوں کی پرورش کردہ عرب۔ اسلامی عوامی امنگوں سے فائدہ اٹھانا ضروری نہ سمجھا بلکہ سب کیے دھرے پر پانی پھیر دیا! اس لیے کہ اقتدار پر قابض ان ٹولوں کی ہوس و لالچ اور آزادی کی لڑائی کے دوران تیار نئی نسل کے احساسات و جذبات میں کوئی تال میل نہ تھا! ملکی د

قومی ترقی کے لیے رجحانات و ترجیحات کے بارے میں نئے مقامی حاکموں کے خیالات وافکار ان کے سامراجی آقاؤں کے پڑھائے ہوئے سبق سے مختلف نہ تھے بلکہ ہو بہو وہی تھے جن کے خلاف آزادی کی جدوجہد کے دوران ناقابل مصالحت شدید جنگ جاری رہی تھی اور خون پسینہ بہایا گیا تھا! اب نئی صورتِ حال میں مزید ابتری اس بات سے پیدا ہوئی کہ بیرونی ہاتھوں سے بنائی ہوئی ملک کی تقدیر اور اس کے لیے تیار شدہ لائحہ عمل کی تنفیذ میں مقامی مُہرے اپنے آقاؤں سے زیادہ بیباک، بے لگام اور سنگ دل ثابت ہوئے! نتیجہ دائمی تصادم اور آگ و خون کے نہ ختم ہونے والے جوالا مکھی کی صورت میں ظاہر ہوا جس کی شدت میں وقتی طور پر کمی تو آسکتی ہے مگر مستقل طور پر آگ اگلنا اور خون تھوکنا بند نہیں ہو سکتا!

مراجع

۱؎ A. Merad, The Encyclopaedia of Islam, new ed., 1971; 3/727-728 pp.

۲؎ ترکی رابح، الشیخ عبدالحمید بن بادیس: رائد الاصلاح والتربیۃ فی الجزائر، طبع سوم، الجزائر، ۱۹۸۱ء

۳؎ ترکی رابح عمارۃ، رحلۃ مع العلامۃ عبدالحمید بن بادیس، العالم الاسلامی، مکہ مکرمہ، شمارہ ۱۴۸۲، ۲۵ نومبر ۱۹۹۶ء ص۱۲

۴؎ خیرالدین زرکلی، الاعلام، دارالعلم للملایین، بیروت، ۱۹۹۵، ۳/۲۸۹

۵؎ صلاح الدین جورشی، تجربۃ فی الاصلاح: ابن بادیس، تونس، ۱۹۷۸ء

۶؎ عبدالحمید بن بادیس، آثار ابن بادیس، ۴ اجزاء

۷؎ عبدالحمید بن بادیس، مجالس التذکیر (تفسیر ابن بادیس)

۸؎ عمادالدین شاہین، The oxford Encyclopadia of Modern Islamic world،
آکسفورڈ، ۱۹۹۵ء، ۲/ ۱۶۱-۱۶۲

۹؎ فتحی عثمان، رائد الحرکۃ الاسلامیۃ فی الجزائر المعاصرۃ، کویت ۱۹۸۷ء

۱۰؎ محمد میلی، ابن بادیس وعروبۃ الجزائر

۱۱؎ محمود قاسم، الامام عبدالحمید بن بادیس: الزعیم الروحی لحرب التحریر الجزائریۃ، طبع دوم قاہرہ، ۱۹۷۹ء

۱۲؎ مصطفیٰ محمد طحان، القیادۃ فی العمل الاسلامی۔
اردو ترجمہ: محمد سمیع اختر، عالمی تحریکات اسلامی کی چند انقلابی شخصیات، بلال پبلیکیشنز، سنگپور، ۱۹۸۸ء
ص ۱۱۸ — ۱۷۷

۱۳؎ نبیل احمد بلاسی، الاتجاہ العربی والاسلامی ودورہ فی تحریر الجزائر، قاہرہ، ۱۹۹۰ء